الحریت فی الاسلام

اسلام میں آزادی کا تصور

مولانا ابوالکلام آزادؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحریۃ فی الاسلام
اسلام میں آزادی کا تصور
ابو الکلام آزادؒ
www.KitaboSunnat.com
مکتبہ جمال
تھرڈ فلور، حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور
فون 7232731

نام کتاب: .... اسلام میں آزادی کا تصور

نام مصنف: .... مولانا ابوالکلام آزاد

اہتمام: .... میاں شبیر احمد کھٹانہ

ناشر: .... مکتبہ جمال، لاہور

مطبع: .... اصغر پریس، لاہور

تعداد: .... پانچ سو

سن اشاعت: 2004ء

ہدیہ: .... 60 روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبہ جمال

تھرڈ فلور، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 7232731

Email: maktaba_jamal@email.com
maktabajamal@yahoo.co.uk

فہرست مندرجات

پیش لفظ

دنیا کے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات کی طرح ''آزادی'' کا مفہوم بھی اسلامی لغت میں اس مفہوم سے بہت کچھ مختلف ہے جو دنیا کی دوسری قومیں اس لفظ سے سمجھتی ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر اطاعت و بندگی سے آزاد ہو جائے۔ یہاں تک کہ خود اپنے نفس، اپنی خواہشات اور اپنی قوم کی حاکمیت کا کوئی پھندا بھی اس کی گردن میں باقی نہ رہے۔

پیش نظر کتاب اصل میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو ''الہلال'' دورِ اوّل میں شائع ہوئے تھے۔ ان میں آپ نے اسلام کے تصورِ آزادی پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ تصورِ آزادی کو تاریخی تناظر میں دیکھتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ہم نے تورات کے اسفار دیکھے ہیں، زبور کی دعائیں پڑھی ہیں، سلیمان کے امثال نظر سے گزرے ہیں، یسوع کی تعلیماتِ اخلاقیہ کے وعظ سنے ہیں، ہم نے ان میں ہر جگہ خاکساری، انکساری، ظلم، درگذر، تسامح، اور عفو و کرم کے ظاہر فریب اور سراب صفت مناظر کا تماشا دیکھا ہے۔ لیکن کیا ان میں اصولِ اخلاق کا بھی پتہ لگتا ہے جو قوموں میں خودداری، سر بلندی، اور حق گوئی کا جوہر پیدا کرتے ہیں؟ جن کی نظر میں بمقابلۂ حق، آقا و غلام، بادشاہ و گدا، عالم و جاہل، قریب و بعید اور سب سے بڑھ کر یہ

کہ خود اپنا نفس اور غیر، سب برابر نظر آتا ہے۔ جن کی راست گوئی، حریت پسندی اور حق پرستی کی عروۃ الوثقیٰ کو نہ تو تلوار کاٹ سکتی ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ محبت وخوف کا دیو توڑ سکتا ہے۔" کیونکہ اس نے وہ مضبوط قبضہ پکڑا ہے جس کے لیے کبھی ٹوٹنا ہے ہی نہیں"۔ اسلام ایک طرف مسلمانوں کی تعریف یہ بتاتا ہے کہ" مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے"۔ دوسری طرف مسلمانوں کی حقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر خدا و شیطان، حق و باطل، معروف و منکر اور خیر و شر کا مقابلہ ہو تو وہ رضائے خدا، نصرتِ حق، امر معروف اور دعوت خیر کے لیے" آسمانوں کے نیچے کی کسی ہستی کی پروا نہیں کرتے"۔

مولانا مرحوم کے نزدیک اخلاق کی جان حریتِ رائے، استقلالِ فکر اور آزادیٔ قوم ہے۔ آپ کے خیال میں" قوم کے نظامِ اخلاق و نظامِ عمل کے لیے اس سے زیادہ کوئی خطرناک امر نہیں کہ موت کا خوف، شدائد کا ڈر، عزت کا پاس، تعلقات کے قیود، اور سب سے آخر قوت کا جلال و جبروت، افراد کے افکار و آرا کو مقید کر دے۔ ان کا آئینہ ظاہر، باطن کا عکس نہ ہو۔ ان کا قول ان کے اعتقادِ قلب کا عنوان نہ ہو، ان کی زبان ان کے دل کی سفیر نہ ہو"۔ آپ کے نزدیک اس سے زیادہ مکروہ و مبغوض شے اللہ کی نظر میں کوئی نہیں ہے۔

مولانا مغفور کے خیال میں اسلام آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے، جو نوعِ انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لیے آیا تھا۔" یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت اور قبضہ ہے۔ لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں بلکہ خود حق ہے اور خدا کے سوا کسی کو سزاوار نہیں کہ بندگان خدا کو

اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ اس نے امتیاز اور بالا دستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دیے اور دنیا کو یہ بتلا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں''۔

اس سلسلے میں اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کے تضادِ عمل کے حوالے سے آپ تحریر فرماتے ہیں:

[اسلام] ایک تعلیم ہے کوئی پیچیدہ راز نہیں۔ اس کی تعلیم کی جو حقیقت ہمارے سامنے ہوگی، وہ ہمیشہ قائم رہے گی ۔۔۔ کوئی تعلیم تجربے کی ناکامیوں کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ تجربہ حالات وحوادث اور اپنے اطراف وماحول سے وابستہ ہوتا ہے۔ پس دنیا میں کبھی کامیابیاں ہوتی ہیں، کبھی ناکامیاں۔ لیکن قانون اور تعلیم کی حقیقت ہمیشہ غیر متزلزل ہوتی ہے ۔۔۔ اسلام کے احکام اس کے پیرووں کی غلطیوں سے ملوث نہیں ہو سکتے''۔

آپ کے نزدیک غلامی خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ اپنے اس اعتقاد کا یوں اعلان کرتے ہیں:

''آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ محکومی اور غلامی کے لیے کیسے ہی خوش نما نام کیوں نہ رکھ لیے جائیں، لیکن وہ غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے''۔

''اسلام اور آزادی'' میں قاری کو اسلام اور جمہوریت، مساواتِ اسلامی، نظامِ جمہوریت، خلفاء کا طرزِ عمل، خلیفۂ اسلام کے اختیارات، قوموں کے زوال کے اسباب، اسلام کا پیغام، جہاد اور اس کی تفصیل پر خیال افروز بحث ملے گی۔ امید ہے کہ اس سے

آزادی کے مفہوم پر اسلامی تعلیمات کی بہتر تفہیم ہوگی۔

مکتبہ جمال افکارِ آزادی اشاعت کا ادارہ ہے۔ اس کے جواں ہمت ناظم عزیزی مختار احمد کھٹانہ لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے مولانا مرحوم ومغفور کی تحریروں کو خوبصورت انداز میں پیش کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی ہمت میں استقلال دے اور توفیق خاص بخشے کہ وہ اس کام کو خوب تر انداز میں کرتے رہیں۔ آمین۔

افضل حق قرشی

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

الحریت فی الاسلام

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(۱۲:۳۹۔۴۰)

اے یاران مجلس! بہت سے مالک اور آقا بنالینا اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کے آگے جھکنا۔ تم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پوجا کر رہے ہو، تو یہ اس کے سوا کیا ہے کہ چند نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے پیشروں نے گھڑ لیے ہیں؟ حالانکہ خدا نے تو اس کے لیے کوئی سند بھیجی نہیں۔ اے گمراہو! یقین کرو کہ تمام جہان میں حکومت صرف اس ایک خدا ہی کے لیے ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کے آگے جھکو۔ یہی دین اسلام کا سیدھا راستہ ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔

انسان کے تمام نوعی فضائل و محاسن و علوم و شرف کا اصلی منبع (توحید) ہے۔ اس کا اعتقاد انسان کو خدا کے آگے جس قدر تذلل و تعبد اور انکسار و ابتہال کے ساتھ جھکاتا ہے، اتنا

ہی خدا کی پیدا کی ہوئی تمام کائنات کے آگے سر بلند و مغرور کر دیتا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اور خدا کے سوا کوئی ہستی، اس کے دل کو مرعوب و محکوم نہیں کر سکتی، وہ ایک چوکھٹ پر سر جھکا کر، اور تمام بندگیوں اور فرمانبرداریوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور ایک کا ہو کر سب کو اپنا بنا لیتا ہے۔

(اسلام) اسی اعتقاد کی دعوت لیکر آیا' اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کی صدا کے ساتھ حکومت خاندان، نسب، رسم و رواج، اور تمیز قوم و مرز بوم کی وہ تمام بیڑیاں کٹ کر گر گئیں' جنکے بوجھ سے نوع انسانی کے پاؤں شل ہو گئے تھے۔ لیکن یہ کتنی تعجب کی بات ہے کہ آج صدیوں سے اسکے پیرو اپنے اندر اس حریت بخش تعلیم کا کوئی ثبوت نہیں رکھتے، ان کے تمام اعمال یکسر نفس و اوھام اور انسان و اجسام کی غلامی و تعبد کا نمونہ ہیں' ۔ اور وہ جن بیڑیوں کو کاٹنے آئے تھے' اُن سے زیادہ بوجھل بیڑیاں آج خود اُن کے پاؤں کا زیور ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

پھر کیا ایک ہی علت دو متضاد نتائج پیدا کر سکتی؟ اور کیا تاریخ اسلام کے آغاز کے صفحے اس کے وسط و آخر کے مقابلہ میں غلط اور پُر فریب تو نہیں ہیں؟ اور اگر نہیں ہیں تو کیا اسلام کی دعوت کی گھڑی' چند ابتدائی سالوں ہی تک کے لئے کوک کی گئی تھی؟

یہ سوالات ہیں' جو قدرتی طور پر اس موقعہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

گذشتہ نصف صدی سے عالم اسلامی کی نئی بیداری آزادی و حریت کے ولولوں سے معمور ہے۔ علی الخصوص پچھلے چھ سالوں کے اندر تمام اسلامی ممالک میں جمہوریت اور آزادی کی تحریکیں پیدا ہوئیں، ایران اور ٹرکی میں پارلیمنٹیں قائم ہوئیں' اور بار بار یہ ظاہر کیا گیا کہ اسلام خود اپنے اندر جمہوریت اور مساوات کے اصول رکھتا ہے، اور یہ جو کچھ ہوا' اسکی

تعلیم کا اصلی منشاء اور اقتضا تھا، مگر انقلاب عثمانی پر یورپ کے اخباروں وقائع نگاروں، اور عام اہل قلم نے جس قدر تحریریں لکھیں، مجھ کو یاد ہے کہ اُن میں کوئی قلم ایسا نہ تھا، جس نے شک وشبہ کے ساتھ بھی اس بیان کے قبول کرنے میں تامل نہ کیا ہو۔ مسٹر (ای۔ایف۔ نائٹ) جو عرصے تک یورپین ٹرکی کے متعدد مقامات میں رہ چکا ہے، اور بقول خود سیکڑوں مسلمانوں کا دوست اور اسلامی معلومات کو ایک مسلمان سے بہتر جاننے والا ہے۔ سلطان عبدالعزیز کے واقعہ تمول کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعض لوگوں کا ایسا خیال ہے کہ سلطان عبدالعزیز کو اسکی نا اہل اور نا قابل حکمرانی ہونے کی وجہ سے معزول کرنا قرآن کی تعلیم کے عین مطابق تھا، مگر فی الحقیقت ایسا نہیں اور پکے مسلمانوں کے عقیدے میں دستوری گورنمنٹ مذہباً قبول نہیں کی جا سکتی۔ البتہ نوجوان ترکوں کا یہ بیان ہے کہ اسلام ظلم آوری کو پسند نہیں کرتا، اوراس نے قوموں اور ملکوں کو اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کا حوصلہ دلایا ہے، چنانچہ اب کچھ مدت سے قرآن کی چند آیتیں بتلائی جاتی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا، اور جب لوگ اپنے کاموں کا باہمی مشورے سے انتظام کرتے ہیں تو خدا ان کو اجر دیتا ہے۔

Awakening of Turkey (page 8)

مسٹر (نائٹ) اسلامی معلومات کی واقفیت پر نازاں ہیں، مگر ہم کو معلوم ہے کہ مشرقی معلومات کے تبحر کا یورپ کی اصلاح میں کتنا ظرف ہے، اس لئے انکا بیان چنداں قابل اعتناء نہیں، لیکن پروفیسر ویمبرے جس نے ترکی کے قلب میں رہ کر نشو ونما پائی ہے، جو برسوں مسلمانوں کے قافلوں میں ایک مسلمان سیاح یقین کیا گیا ہے جو قرآن کی سورتوں کی عربی لب ولہجہ میں تلاوت کرتا ہے، اس ہولے کا ذکر کرتے ہوئے، جو شیخ الاسلام نے سلطان عبدالعزیز کے عزل پر لکھا تھا، رقم طراز ہے۔ "چونکہ تمام مذہبی کتابوں میں کھینچ تان

کے تاویلیں کی جا سکتی ہیں، اس لیے قرآن کی آیتیں کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ اور حریت ومساوات کی تائید میں بآسانی مل گئیں، لیکن یہ تمام بدعتیں دراصل یورپ سے حاصل کی گئی تھیں، گوان کا منبع اسلام قرار دیا گیا، اور پیغمبر اسلام کے اس قول سے کہ **شاورھم فی الامر** (اپنے معاملات کے لئے باہم مشورہ کرلیا کرو) پارلیمنٹ قائم کرنے کی تاکید ثابت کی گئی"

پھر ایک دوسرے موقعہ پر اسلام کو عام ایشیائی مطلق العنانی سے ناقابل استثناء قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کہا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور کے حکمراں عدل وانصاف سے متصف تھے، خلیفہ اولنے منصب خلافت قبول کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا جب تک انصاف پر چلوں میرا ساتھ دو، اور اگر اسکے خلاف کروں تو ملامت کرو، جب تک میں احکام شریعت کی تعمیل کروں، تم کو میری اطاعت کرنی چاہیئے، لیکن اگر تم دیکھو کہ میں بال برابر بھی راہ شریعت سے ہٹ گیا ہوں تو میرا کہنا ہرگز نہ مانو، خلیفہ دوم کی نسبت بھی ایسا ہی کہا جاتا ہے جو مسلمان آج کل کی آزادانہ طرز حکومت پر شیفتہ ہیں، وہ اس طرح کی بہت سی نظیریں پیدا کرکے مسلمان بادشاہوں کے عدل وانصاف کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسلام کے دور اول میں فرمانرواؤں کا یہی حال تھا، تو بھی یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہی"

Western Light & Eastern Land Vol.3.P.32

اس کے بعد تاریخ اسلام کی اس مزعومہ عام شخصیت اور استبداد پسندی میں بعض فرمانرواؤں کا عدل ولیاقت سے اتصاف تسلیم کرتا ہے، لیکن مثال میں بابر، حسین مرزا، اور ہمایوں واکبر کے سوا، تاریخ اسلام کے اس عظیم الشان ماہر کو اور کوئی نام نہیں ملتا! **وذلک**

مبلغهم من العلم۔

یہ یورپ کے ایک مشہور مستشرق کا خیال ہے، اور گو "وشاورھم فی الامر" ہم کو پیغمبر اسلام کے اقوال میں نہ ملے، مگر قرآن سے ڈھونڈھ کر نکال سکتے ہیں" اور اسکی اتنی واقفیت کو غنیمت سمجھتے ہیں۔

اسلام کے ماضی وحال کا جب مقابلہ کیا جائیگا۔ تو اس طرح کے خیالات کا پیدا ہونا قدرتی ہے، ایک ضعیف ولب گور بیمار اگر اپنی صحت وتوانائی کے عہد کی طاقت آزمائیوں کو بیان کرے تو عجب نہیں کہ سننے والے نحیف وزار چہرے کو دیکھ کر تسلیم کرنے میں متامل ہوں۔ مسلمان آج اپنے بڑھاپے کے انحطاط واضمحلال میں مبتلا ہیں۔ ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے، اور ان کے چہرے پر رونق وشگفتگی کی جگہ، افسردگی اور مردنی چھا گئی ہے۔ پھر ان کے "ذکر جوانی درعہد پیری" کو آج کون بغیر شک وشبہ کے تسلیم کریگا؟ گری ہوئی دیواروں اور شکستہ اینٹوں کا ڈھیر ممکن ہے کہ کبھی ایک قصر چہل ستون ہو، مگر اس وقت تو ایک مٹی کے ڈھیر سے زیادہ نہیں!

فتادم دام بر کنجشک وشادم، یاد آں ہمت
کہ گر سیمرغ می آمد بدام، آزادی کردم

تاہم جستجو کرنی چاہئے کہ اسلام کی جمہوریت اور آزادانہ روح کی نسبت آج جو کچھ کہا جاتا ہے وہ یورپ کے اثر سے پیدا کی ہوئی تاویلیں اور انقلاب فرانس کی بخشی ہوئی حریت کا عکسِ مستعار ہیں، یا خود اسلام اپنی روز پیدائش ہی سے اس روح کو اپنے اندر رکھتا تھا، اور کیا یہ واقعی مسٹر نائٹ اور ویمبرے کے الفاظ میں "چند برسوں" کے نوزائیدہ خیالات ہیں، یا تیرہ سو برس سے اسلامی دعوت وتعلیم کے صحائف واسفار میں مدفون چلے آتے ہیں؟

ایک دوسرا گروہ

علاوہ بریں اس جستجو و تفحص کے لئے متذکرہ صدر خیالات سے بھی بڑھ کر ایک اور خیال محرک ہے۔ اسلام کے متعلق یورپ اور مسیحیت کی ضلالت اندیشی عام ہے۔ اس نے اب تک جو کچھ سمجھا ہے اور ظاہر کیا ہے، وہ تمام تر مجموعہ افترا وا کاذیب ہے، وہ اس جسم کے کسی خال وخط کے دیکھنے ہی میں غلطی نہیں کرتا، بلکہ اسکی نظر میں از سر تا پا اس کی ہیت وصورت مکروہ ہے۔ پس اگر اسلام کی تعلیم حریت کے متعلق وہ اس طرح کے خیالات رکھتا ہو تو یہ چنداں عجیب ومستبعد نہیں۔

لیکن بدبختی یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے سمجھنے میں ہمیشہ غیروں سے زیادہ خود اپنوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔

گذشتہ دس سال کے اندر ایران اور ٹرکی کے اندر جمہوریت کی تحریکیں بارآور ہوئیں، اور نظام حکومت شخصی استبداد حکمرانی کی جگہ دستوری وآئینی طرز حکومت پر قرار پایا اس قسم کے انقلابات قدرتی طور پر امن وسکون حاصل کرنے کے لئے ایک زمانہ ممتد کے محتاج ہوتے ہیں۔ بیمار آدمی کو گو بہتر سے بہتر نسخہ مل جائے، مگر اسکے استعمال کے نتائج کے لئے انتظار ناگزیر ہے، بدقسمتی سے ان دونوں حکومتوں کو ناگہانی انقلاب کے قدرتی نتائج، اختلال وانتشاش، اور اجانب کے فشار وہجوم سے مہلت نہ ملی، اور اسکے بعد ہی بربادیوں اور تباہیوں کا ایک سلسلہ غیر منقطع شروع ہو گیا۔ علی الخصوص دولت عثمانیہ، جو موجودہ جنگ کی بربادیوں سے بالکل نیم جان ہو گئی ہے۔

عام نگاہیں جو انقلاب حکومت سے نتائج عاجلہ کی منتظر تھیں، انہوں نے دیکھا کہ نتائج مطلوبہ ایک طرف، انقلاب کے بعد تو پچھلی حالت بھی قائم نہ رہ سکی، اور بربادیوں کا

ایک سیلاب عظیم ہر طرف امنڈ آیا۔ بظاہر ہر مقدم واقعہ، موخر کی علت ہوتا ہے، اس لئے بہتوں نے یقین کرلیا کہ یہ تمام بربادیاں صرف دستوری حکومت کے نتائج ہیں، اور پھر اس الزام سے اسلام کو بچانے کے لئے یہ سمجھ لیا گیا کہ اسلام صرف شخصی حکومت ہی کا مجوز ہے، اور ''مشورہ'' اور ''شوریٰ'' سے حکومت دستوری مقصود نہیں، یا ہے بھی تو وہ کوئی اور شے ہوگی جس کی ہمیں خبر نہیں۔ کم از کم دستوری نظام حکومت کو تو اس سے کوئی تعلق نہیں!

اس طرح وہی اعلام، جو کل تک شخصیت کا دشمن اور حکومت مستبدہ کا قامع یقین کیا جاتا تھا، اور اسکے لئے قرآن کریم کی آیات سے استدلال کیا جاتا تھا، ترکی اور ایران کے حوادث کے بعد آئین و دستور کا اعدعدو و مخالف ہوگیا! وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ج وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۲۸:۵۳)

آج ہندوستان کے مسلمانوں میں شاید نصف سے زیادہ اخبار بین طبقہ اسی غلطی میں مبتلا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک نہایت خطرناک گمراہی ہے۔ اسلام اگر حریت و جمہوریت کا حامی ہے، تو اس کے لیے وہ ترکی اور ایران کے تجربے کا محتاج نہیں، اور اگر مخالف ہے، تو مدحت پاشا یا جمال الدین کی تحریک اس کو حامی نہیں بنا سکتی۔ پھر ہم کو اسلام کے متعلق ایک مختم فیصلہ کرلینا چاہیے۔ کہ وہ ایک تعلیم ہے۔ کوئی پیچیدہ راز نہیں ہے۔ اس کی تعلیم کی جو حقیقت ہمارے سامنے ہوگی، وہ ہمیشہ قائم رہے گی، خواہ تمام دنیا کی جمہوری حکومتیں غارت ہو جائیں، خواہ دنیا سے شخصیت و استبداد کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے مٹ جائے۔

کوئی تعلیم تجربے کی ناکامیوں کی ذمہ دار نہیں ہوسکتی۔ تجربہ حالات و حوادث اور اپنے اطراف و ماحول سے وابستہ ہوتا ہے، پس دنیا میں کبھی کامیابیاں ہوتی ہیں

بھی نا کامیاں۔لیکن قانون اور تعلیم کی حقیقت ہمیشہ غیر متزلزل ہوتی ہے۔

کچھ ہرج نہ تھا اگر لوگ ایران اور ترکی کے انقلاب پر معترض ہوتے، کچھ مضائقہ نہ تھا اگر وہ وہاں کے حامیان دستور پر لعنت بھیجتے، اور وہاں کے رجال انقلاب کی سخت سے سخت مذمت کرتے۔اسلام کے احکام اس کے پیروؤں کی غلطیوں سے ملوث نہیں ہوسکتے، اور اسلام کی کس تعلیم کا آج ہم نے اپنے تئیں نمونہ بنایا ہے کہ اس امر خاص میں ہمارا عمل اس کی تعلیم کا آئینہ ہوتا؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ سرے سے جمہوریت اور نظام شوریٰ ہی کو اسلام کا ضد اور مخالف بتلایا جاتا ہے، اور اس طرح اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق (کہ پیشتر ہی سے غلط فہمیوں اور غلط اندیشیوں میں ملفوف ہے) ایک نئی اور نہایت سخت تاریکی پھیلائی جارہی ہے۔

حالانکہ اسلام کو شخصی حکومت کا حامی بتلانا ایک ایسی اشد شدید ضلالت ہے، جس کا تصور بھی اس کے دامن حریت پرور کے لئے معصیت کبریٰ سے کم نہیں۔

پس ضرور ہے کہ اس غلط فہمی کا، اس کی ترقی واشاعت سے پہلے انسداد کیا جائے ایسا نہ ہو کہ حوادث وآلام کا فوری اثر نادانوں کو اسلام کے متعلق ایک سخت ضلالت اندیشانہ عقیدے پر استوار کردے۔اس کا تو کچھ غم نہیں کہ ترکی اور ایران کے رجال انقلاب کے متعلق دنیا کیا سمجھتی ہے؟ البتہ اسلام کے دامن عصمت پر جہل وتاریکی اور ظلم واستبداد کی حمایت کا دھبہ گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

من و دل گر فنا شدیم، چہ باک؟
غرض اندر میاں سلامت اوست

نظام حکومت اسلامیہ

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲:۳۸)

تمام دنیا میں جمہوریت کے خیالات پھیل رہے ہیں، شخصی استبداد و مطلق الحکمی سے ہر جگہ نفرت کی جارہی ہے، اور اس حقیقت کا اعتراف پیہم ہے کہ قانونی و سیاسی آزادی میں تمام انسان مساوی الرتبہ ہیں۔ قوم کو اپنے ثمرات ملک سے تمتع کا حق حاصل ہے۔ وہ اس حق میں دوسروں پر مقدم ہے۔

دنیا کی تمام قومیں اس حقیقت پر ایمان لا چکی ہیں، اور ہر ممکن ذریعہ و کوشش سے اس کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ بعض کوششیں ہدف مقصود تک پہنچ چکی ہیں۔ اور بعض پہنچنے کے قریب ہیں۔

لیکن مسلمان جو دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں، اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں وہ اِن کے تصور میں اس کی صورت مہیب ہے۔ حالانکہ اس حق طلب اور دادخواہ جماعت میں سب کے آگے مسلمانوں کو ہونا چاہیے تھا، کیونکہ ان کا پیغمبر دنیا میں صرف اس لئے آیا، تاکہ انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلائے۔

یورپ کی قومیں دور سے کھڑی مسلمانوں کے اعمال و حرکات جہل عن الحقیقہ کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ ہم کو از راہ لطف و کرم اس راستے کے شدائد و خطرات سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور وعید و تہدید کی کڑک میں یہ تنبیہ کرنے والی آواز سنائی دیتی ہے کہ ''دیکھنا اس زنجیر کو جس سختی سے کاٹنا چاہو گے، اسی سختی سے یہ پاؤں میں زیادہ لپٹ جائے گی'' اکثر واعظین سیاست از راہ شفقت و نصیحت دینی ہم کو یہ بھی تلقین کرتے ہیں کہ حریت حکومت کے لئے اس قسم کی کوششیں اور جدوجہد، تعلیمات قرآنیہ کے خلاف اور تاریخ اسلام کے منافی ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ واقعات تازہ نے مسلمانوں کے حسیات زندہ کر دیئے ہیں، ان کو اپنا از یادرفتہ خواب پھر یاد آ گیا ہے۔ اتباع احکام ربانی کے لیے ان میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا ہے، اور اسلام کی حریت و آزادی کے اسباق پر پھر انہوں نے نظر ڈالنی شروع کر دی ہے، اس لیے ان کے ناصحین و مشفقین سیاست کو ان کی ہدایت سے مایوس ہو جانا چاہیے کہ ان کا اب گمراہ ہونا ان کے حق میں ہدایت سے بہتر ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نوبت زہد فروشان ریاکار گذشت
وقت شادی وطرب کردن رنداں برخاست

اسلام خود اپنے بیان کے مطابق "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً" دین و دنیا کی اصلاح کے لیے آیا تھا، اور اسی لیے دونوں جہان کی برکات اس کے ساتھ تھیں۔ پھر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کے خزانہ ہدایت میں حسنات سیاست دنیاوی کا وجود نہیں، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نصف خدمت انسانی کی انجام دہی سے وہ مقصر رہا، جس کا تخیل بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے کارنامہائے سیاسیہ اور طرق اصلاح حکومت دنیویہ سے آج واقفیت حاصل کرے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر

آج سے ۱۳۳۰ برس پہلے کا واقعہ ہے کہ دنیا استبداد و استعباد کے عذاب الیم میں مبتلا تھی۔ غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا، فرماں روایان ملک، امرائے شہر، روسائے قبائل، اپنے اپنے حلقہ فرمانروائی میں "اربابا من دون اللہ" تھے، اور ان کے ہاتھ میں ان کے اطاعت گذار اور پیرو بالکل مثل معدوم الارادۃ آلات عمل کے تھے، جن کی

زندگی کا واحد موضوع صرف اپنے قادر قابض کی تکمیل ہوائے نفس واتباع مرضات تھا۔ صداقتوں کی حقیقت اور امور واقعات کی صداقت کا فیصلہ سلاطین وامرا کے چشم وابرو کا ایک اشارہ، اور ملوک ورؤساء کے کام و دہن کی ایک جنبش کرتی تھی۔ مسیح سے ۷۰۰ برس پہلے، ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف، ہر احترام فوق العادت سے مقدس، اور ہر نقص وعیب سے مبرا تھی، کیونکہ وہ خدا تھی، خدا کا سایہ تھی، یا کم از کم مرتبہ انسانیت سے ایک بالاتر شے ضرور تھی!

فراعنہ مصر دیوتا تھے۔اسی لئے مصر کے ایک فرعون نے مسیح سے ۷۰۰ برس پہلے اپنے درباریوں کو کہا تھا" **انا ربکم الاعلی** " یعنی موسیٰ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں" کلدانیوں کے ملک میں نمرود بابل کی پرستش کے لیے ہیکل بنتے تھے، ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر زمین پر اترتے تھے، روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشین تھا، اور اس کا آستانۂ قدس سجدہ گاہ ملوک وسلاطین۔

روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ، گو دیوتا نہ تھے، لیکن فطرت بشریہ سے منزہ، اور مرتبہ انسانیہ سے بلند تر ہستی تھے، جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع، جن کے سامنے ابتدائے کلام گناہ، جن کا نام لینا سوءادب، اور جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل تھا، بیت المال ملکی سامان مصرف، رعایائے ملک غلامان درگہ شاہنشاہی تھے۔

دنیا اسی تعبد وغلامی اور ذلت وتحقیر میں غوطہ زن تھی کہ بحر احمر کے سواحل پر ریگستانی سرزمین میں ایک "عربی بادشاہ" کا ظہور ہوا، جس نے اپنے معجزانہ زور توانائی سے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیے، بابائے رومتہ الکبریٰ کے ایوان قدس کی بنیادیں ہلا دیں، تعبد وغلامی کی زنجیریں اس کی شمشیر غیر آہنی کی ایک ضرب سے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں

، اور استقلالِ ذاتِ فکر، حریتِ خیال ورائے، شرف واحترامِ نفس، مساوات حقوق اور ابطال شاہنشہی کی روشنی دنیائے قدیم کے قلب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئی شاہان عالم مرتبہ قدوسیت ومعصومیت سے گر کر عام سطح انسانی پر آ گئے اور عام انسان سطح غلامی وحیوانیت سے بلند ہو کر مصر وبابل کے دیوتاؤں اور روم وایران کے قیصر وکسریٰ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے، اور بقول گبن (مشہور مورخ) ''قوائے عملی وزندہ دلی جو صومعوں اور خانقاہوں میں پڑی سوتی تھی، عسکری حجاز کی آواز دہل سے چونک پڑی۔ اور اسلام کی اس نئی سوسائٹی کا ہر ممبر حسب استعداد وفطرت وحوصلہ اپنے اپنے مرتبے پر پہنچ گیا''

یہ معجزانہ قوت وتوانائی کیا تھی؟ جلال روحانی سے بھری ہوئی ایک آواز تھی، جو بو قبیس کی پہاڑی سے بلند ہوئی، اور جس سے گنبد عالم کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا، کہ اے اہل عالم

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳:۶۴)

آؤ ''ایک بات جو اصولاً وعقلاً ہم میں متفق علیہ ہے، اس کو عملاً بھی تسلیم کر لیں، یعنی خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم خدا کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا اور آقا بنائیں۔

اس ایک آواز سے انسانی جباری والوہیت کے بت سرنگوں ہو کر گر پڑے۔ شہنشاہیوں کا پُر اسرار اور عجیب الخواص طلسم ٹوٹ گیا، بادشاہ، خادم رعایا، بیت المال، خزینہ عمومی اور تمام انسان مساوی الرتبہ قرار پا گئے۔ عرب کے بادشاہ نے نہ اپنے لئے قصر وایوان

طیار کرایا، نہ قاقم ودیبا کے فرش بچھائے، نہ سونے چاندی کی کرسیوں سے دربار سجایا، اور نہ اس نے اپنی ہستی کو انسانیت سے مافوق بتایا، بلکہ علی الاعلان کہہ دیا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

میں بھی تمھاری ہی طرح ایک آدمی ہوں۔

یہ تو عرب سے باہر کا حال تھا۔ خود عرب کا حال کیا تھا؟ اطراف عرب یمن، یمامہ، غسان، حیرہ، بحرین، عمان میں روم وفارس کے ماتحت جو ریاستیں تھیں، وہ تو سرتاپا روم وایران کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ لیکن وسط عرب کی بھی حالت یہ تھی کہ اسلام سے پہلے وہ بالکل مبتلائے فوضویت تھا۔ جس طرح قبیلے قبیلے کا خدا الگ تھا، اسی طرح ہر ہر قبیلے کا شیخ بھی الگ تھا، آپس کی جنگ وجدال اور حرب وقتال نے تمام ملک کو کارزار بنا رکھا تھا، بے اطمینانی وبے امنی عرب کے گوشہ گوشہ میں موجود تھی، قبائل کی ایک دوسرے کے مملوکات پر غارت گری بہترین کسب معاش تھی۔ اس پر شعرائے قبائل فخریہ قصائد لکھتے تھے اور ہر شخص دوسرے کی عزت ومال کو اپنے لئے بہترین مصرف قرار دیتا تھا۔

غرضیکہ دنیا کے اس خشک وبے آب ملک کا چپہ چپہ انسانوں کے خون سے سیراب کیا جا رہا تھا کہ دفعتہً سلطنت الٰہی کا ظہور ہوا، اور وادیٔ مکہ میں عرب کے سب سے بڑے مجمع کے اندر اس کے اس فرمان کا اعلان کیا گیا: اے اولاد آدم!

الا ان دماء کم واموالکم حرمت	ہوشیار ہو جاؤ کہ آج جان اور مال کی
علیکم کحرمة یومکم هذا فی	حرمت قائم کی جاتی ہے، جس طرح کہ
شهرکم هذا، فی بلدکم هذا، الا	آج کے روز کی اس شہر مکہ میں اور اس
کل شیٔ من امر الجاهلیة تحت	ماہ حج میں حرمت ہے۔ ہوشیار ہو کہ

قدمی موضوع و دماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضعه من دما ئنا دم ابن ربيعة الحارث ! (الحدیث صحاح)

جاہلیت کی تمام باتیں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ ایام جاہلیت کی خونریزی اور اس کے انتقام کے تمام واقعات آج سے فراموش ہوں۔ سب سے پہلے میں خود اپنے عم زاد بھائی ابن ربیعہ بن حارث کا خون فراموش کرتا ہوں۔

یہ ایک آواز تھی، جس سے عرب کی پرشور وشر فضا میں سکوت طاری ہوگیا، امن عام کا ابر چھا گیا، حکومت الٰہی کے اس داعی نے نصرانی شہزادہ طے سے فرمایا تھا کہ ''عرب کی بے اطمینانی سے نہ گھبراؤ۔ وہ وقت آئے گا کہ ایک بڑھیا سونا اچھالتی ہوئی عرب کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں نکل جائے گی، اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے گا'' پس وہ وقت آ گیا کہ بڑھیا سونا اچھالتی ہوئی ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں نکل گئی اور کسی نے اس سے تعرض نہ کیا

تاسیس اصلاحات حکومت

اسی سلسلہ میں یہ عجیب بات ہے کہ اسلام نے حکومت اسلامی کا جو نظام قرار دیا وہ ایک ایسی چیز تھی، جو اس کے گرد و پیش کے نظامہائے حکومت میں کہیں بھی موجود نہ تھی، اس نے ایک باقاعدہ قانونی و جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ حقوق عامہ کی تشریح وتعیین کی، تعزیرات وحدود و جرائم کے مناصب قائم کیے۔ مالی، ملکی اور انتظامی قوانین وضع کیے، عدل وانصاف کی تعلیم دی، قانونی تسامح واستثنائے شخصی کی ممانعت کی، شخصی حکومت وذاتی امتیاز کو

یک قلم مٹا دیا۔

یہ مجمل بیانات ہیں جن کی تفصیل واثبات کے لئے موجودہ اصول جمہوریت وعمومیت کی بنا پر، متعدد مباحث طے کرنے چاہئیں۔

نظام جمہوریہ

ایک بہتر سے بہتر حکومت کے تخیل کے لوازم کیا ہیں؟ اس کے جواب میں ہمارا موجودہ سیاسی لٹریچر ان دفعات سے بہتر کوئی شے نہیں پیش کر سکتا، جو (انقلاب فرانس) کے شدائد ومصائب کے بعد اٹھارویں صدی میں مرتب ہوئے، اور جن پر آج جمہوری حکومتوں کا عمل ہے۔ یعنی:۔

(۱) حکومت جمہور کی ملک ہے، وہ ذاتی یا خاندانی ملک نہیں۔

(۲) تمام اہل ملک ہر قسم کے حقوق وقانون میں مساوی ہیں۔

(۳) رئیس ملک (پریسیڈنٹ) جس کو اسلام کی اصطلاح میں امام یا خلیفہ کہتے ہیں، اس کا تقرر ملک کے انتخاب واختیار عام سے ہو، اور اس کو دیگر باشندگان ملک پر کوئی ترجیح نہ ہو۔

(۴) تمام معاملات ملکی اور امور انتظامی وقانونی ملک کے اہل الرائے اشخاص کے مشورہ سے انجام پائیں۔

(۵) بیت المال یا خزانہ ملکی عام ملک کی ملکیت ہو۔ رئیس کو بغیر مشورہ ملک واہل حل وعقد کے اس پر تصرف کا کوئی حق نہ ہو۔

حکومت جمہور کی ملک ہے۔ وہ ذاتی یا خاندانی ملک نہیں

یہ بحث درحقیقت زبدۂ مباحث اور خلاصہ جمہوریت ہے، اور آئندہ کی تمام بحثیں

درحقیقت اسی اصل کی فروع اور متعلقات ہیں۔اس دعوے کے اثبات کے لئے کہ ''اسلام میں حکومت جمہور کی ملک ہے، اور کسی خاص شخص کی ذاتی یا خاندانی ملک نہیں'' بہترین دلیل خوداسی کی زبان ہے۔قرآن مجید کا یہ حکم ہر شخص کو معلوم ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (۳:۵۳)

امور حکومت میں اے نبی! مسلمانوں سے مشورہ لے لیا کرو۔

دوسری جگہ حکومت اسلامیہ کی مدح میں ارشاد فرمایا:۔

وَاَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ (۴۲:۳۶)

ان کی حکومت باہمی مشورہ سے ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں حکومت کے لئے شورۂ عام کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری آیت میں اس حکم کی تعمیل کی تصدیق کی گئی۔ان دونوں آیتوں سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔(۱) حکومت اسلامیہ میں مشورۂ عام شرط ہے۔

(۲) حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے۔جس سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حکومت اسلامیہ کسی کی ذاتی ملک نہیں بلکہ جمہور اسلام کی ملک ہے

(۳) تیسری بات ان سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا دور اول میں اسی پر عمل تھا، کیونکہ بغیر تاریخ سے مدد لئے ہوئے خود قرآن ہم کو بتلاتا ہے کہ ''ان کی حکومت باہمی مشورے سے ہے۔قرآن مجید کی آیات میں ہم کو اپنے دعوے کے اثبات کے لئے کسی دوسری دلیل کی احتیاج نہیں واقعات کے سلسلہ ترتیب اور اعدائے اسلام کی تبکیت سے ہم کو چند دیگر واقعات کا بھی اضافہ کرنا ہے جس سے اس کا عملی رخ اور زیادہ واضح ہو جائے۔

(۱) آنحضرت صلعم نے اور خلفاء راشدین نے اپنا جانشین کسی عزیز یا اپنے بیٹے کو

نہیں بنایا۔

(۲) تمام معاملات ضروری میں آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین مہاجرین وانصار سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً مشورہ لیتے تھے۔

(۳) خلفا کا تقرر عموماً مشورۂ عام سے ہوتا تھا۔

(۴) بیت المال عام مسلمانوں کا حق تھا۔ کبھی ذاتی طور پر اس کو صرف میں نہیں لایا گیا، اور اسی لئے اس کا نام ''بیت مال المسلمین'' تھا۔

حالانکہ اگر اسلام شخصی حکومت کی بنیاد رکھتا تو ضرور تھا کہ امور مذکورہ، بالکلیہ حکومت اسلامیہ میں مفقود ہوتے۔

الغرض آیات مذکورہ کے علاوہ خلفا کا عام مجمع میں انتخاب، آزادی وحریت کے ساتھ ان کے احکام واعمال کا انتقاد، امور مہمہ میں خلفا کا اہل الرائے اور ارباب حل وعقد سے استشارہ، بیت المال کی شخصی حرمت اور اس کا ''خزینہ عمومیہ'' ہونا، اس امر کا محکم ترین ثبوت ہے کہ اسلام میں حکومت، جمہور ملک کی لیاقت کا نام ہے، وہ کوئی شخصی استبداد نہیں۔

تمام اہل ملک مراتب حقوق، قانون، اور قواعد مملکت میں مساوی ہیں

درحقیقت یہ اسلام کی واضح ترین خصوصیت ہے کہ اسکی نظر میں آقا غلام، معزز اور حقیر، چھوٹا اور بڑا، امیر اور فقیر، سب برابر ہیں۔ صہیب اور بلال جو آزاد شدہ غلام تھے سرداران قریش کے پہلو بہ پہلو ان کا نام ہے۔ اسلام کے سامنے صرف ایک ہی چیز ہے جس سے انسانوں کے باہمی رتبے میں تفریق ہوسکتی ہے۔ یعنی تقویٰ اور حسن عمل۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۹-۱۴)

تم میں زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک فقرے میں مراتب کی تفریق کردی۔

الکرم اللتقویٰ (ترمذی باب مفاخرۃ)	بزرگی اور بڑائی، صرف تقویٰ وحسنِ عمل ہے۔
لیس لاحد علیٰ احد فضل الابدین و تقویٰ (مشکوۃ باب مفاخرۃ)	ایک کو دوسرے پر فضیلت دین اور تقویٰ کے سوا اور کوئی حق ترجیح وفضیلت نہیں ہے۔
الناس کلھم بنو ادم، و ادم من تراب (مشکوۃ باب مفاخرۃ)	تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا تھا، پس سب آپس میں برابر ہیں۔

مساوات قانونی کی اصلی تصویر صرف اسلام کے مرقع ہی میں مل سکتی ہے۔ قانون اسلام کی نگاہ میں حاکم ومحکوم اور امام وعامۂ ناس یکساں ہیں۔ کیا اسلام سے پہلے یہ ممکن تھا کہ بادشاہ اپنی رعایا کے مقابلہ میں ایک معمولی آدمی کی طرح عدالت میں حاضر ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابی رضی اللہ عنہ ابن کعب میں ایک معاملہ کی نسبت نزاع ہوئی۔ زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کردی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن رضی اللہ عنہ ثابت! یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے اس مقدمے میں کی" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے (کتاب الخراج)

اسی طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ جب ایک مقدمہ میں مدعا علیہ بن کر آئے تو ان کو مدعی کے برابر کھڑا ہونا پڑا۔ (عقد الفرید)

عہد عباسیہ میں حکومت اسلامی کی خصوصیات بہت کم باقی تھیں، لیکن پھر بھی جب مدینہ کے قلیوں نے خلیفہ منصور پر دارالقضا میں دعویٰ کیا، تو خلیفہ کو تنہا ان قلیوں کے دوش

بدوش قاضی کے سامنے آنا پڑا۔ مامون کے دربار میں اسکے بیٹے عباس پر ایک بڑھیا نے نالش کی، اور شہزادہ عباس کو بر سر دربار بڑھیا کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے مقدمہ کی سماعت کرنی پڑی۔

قانون اسلامی میں قریب و بعید کا بھی کوئی امتیاز نہیں آنحضرت نے صاف فرما دیا۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلعم اقيموا حدود الله على القريب و البعيد ، ولا تاخذ كم في الله لومة لائم (ابن ماجہ کتاب الحدود)	خدا کے حدود یعنی خدا کے مقرر کردہ قوانین و آئین دور و قریب ، رشتہ دار وغیر رشتہ دار سب پر یکساں جاری کرو، اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کرو۔

جبلہ بن ایہم الغسانی

جبلہ بن ایہم غسانی ایک عیسائی شاہزادے نے عہد فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا طواف کعبہ کے موقع پر اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پانوں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصہ سے بیتاب ہو گیا اور حضرت عمر کے پاس آ کر شکایت کی۔ آپ نے سن کر کہا کہ تم نے جیسا کیا تھا، ویسی ہی اس کی سزا بھی پائی۔ اس نے کہا:

"ہمارے ساتھ کوئی گستاخی کرے تو اس کی سزا قتل ہے"

مگر حضرت عمر نے فرمایا:

"ہاں، جاہلیت میں ایسا ہی تھا، لیکن اسلام نے شریف و ذلیل اور پست و بلند کو ایک کر دیا" جبلہ اس ضد میں پھر عیسائی ہو گیا اور روم بھاگ گیا، لیکن خلیفہ اسلام نے

مساوات اسلامی کی قانون شکنی گوارہ نہ کی۔

خود آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ

مساوات قانونی کو چھوڑ کر اسلام کی عام طرز مساوات پر غور کرنا چاہیے آنحضرت ﷺ تمام مسلمانوں کے آقا اور سردار تھے، تاہم آپ ﷺ نے مسلمانوں سے اپنے لیے کبھی کوئی زیادہ امتیاز نہیں چاہا۔

ایک سفر میں کھانا پکانے کے لئے صحابہ ؓ نے کام تقسیم کر لئے ،تو جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت سرور کائنات ﷺ نے خود اپنے ذمہ لی!

حضرت انس ؓ دس برس خدمت نبوی میں رہے۔لیکن ان کا بیان ہے کہ اس مدت طویل میں مَیں نے جتنی خدمت آپ کی کی ،اس سے زیادہ آپ نے میری خدمت کی۔مساوات کا یہ عالم تھا کہ ''ما قال لی فی شئی لما فعلت ''یعنی تحکمانہ کام لینا یا جھڑکی دینا تو بڑی بات ہے، کبھی آپ نے اتنا بھی نہ کہا کہ فلاں کام یوں سے یوں کیوں کیا۔

غلام اور آقا

ایک صحابی نے اپنے غلام کو مارا تو آپ نے فرمایا:۔

''یہ تمھارے بھائی ہیں ،جن کو خدا نے تمھارے ہاتھ میں دیا ہے۔جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ ،جو خود پہنو، وہ ان کو پہناؤ''

اسلام نے نہایت شدّت کے ساتھ اس سے روکا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو ،خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا کیوں نہ سمجھا جاتا ہو، ''غلام'' اور ''باندی'' کہے، کیونکہ سب خدا ہی کے غلام ہیں ۔اسی طرح غلاموں کو فرمایا کہ اپنے مربیّوں کو آقا نہ کہیں کہ مساوات

اسلامی میں اس سے فرق آتا ہے۔

ایک بار ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ کو ان الفاظ سے خطاب کیا کہ ''اے آقائے من'' آپ نے فرمایا: ''مجھ کو آقا نہ کہو۔ آقا تو ایک ہے، یعنی خدا''

صحابہ کا طرز عمل

خلفائے راشدین جو تعلیم اسلامی کے زندہ پیکر تھے، ان کا بھی ہمیشہ یہی طرز عمل رہا۔ حضرت عمر اور ان کا غلام سفر بیت المقدس میں باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے جب قریب پہنچے تو غلام کی باری تھی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں کہ شہر نزدیک آ گیا۔ آپ نے نہ مانا، اور آخر خلیفہ اسلام بیت المقدس میں اس طرح داخل ہوا کہ اس کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی، اور اونٹ پر اس کا غلام سوار تھا! حالانکہ یہ وقت تھا، جب کہ تمام شہر خلیفہء اسلام کی شان وعظمت کا تماشا دیکھنے کے لئے امنڈ آیا تھا۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ واقعہ اجنادین میں رومی سپہ سالار نے ایک جاسوس مسلمانوں کے دریافت حال کے لئے معسکر اسلام میں بھیجا۔ جاسوس اسلام کے ان سچے نمونوں کو دیکھ کر جب واپس آیا، تو رومی سپہ سالار سے ایک تحیّر کے عالم میں بول اٹھا:۔

هم بالليل رهبان و بالنهار فرسان . لوسرق ابن ملكهم قطعوه . و اذا زنى رجموه	یہ لوگ راتوں کو استغراق عبادت میں راہب ہوتے ہیں مگر دن کو شہسوار۔ اگر ان کا شاہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں، اور اگر زنا کرے تو اسے بھی رجم کریں۔

خصائص مسلم کی یہ اصلی تصویر تھی!

مساوات قانونی کی ایک مثال وحید

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری میں ماخوذ ہوئی۔ قریش نے رسول ﷺ سے سفارش کرنے کے لئے حضرت اسامہؓ کو آمادہ کیا، جن کو آپ ﷺ بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن جب اس واقعہ کے متعلق اسامہؓ نے آپ ﷺ سے سفارش کی تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

انما اھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف، ترکوہ، واذ اسرق فیھم الوضیع، اقاموا علیہ الحدود۔ ایم اللہ، لو ان فاطمۃ بنت محمد اسرقت لقطعت یدھا (بخاری الشفاعۃ فی الحدود)

اے لوگو! تم سے پہلے قومیں اس لیے ہلاک کی گئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا (چوری کا ذکر صرف خصوصیت واقعہ کی بنا پر ہے ورنہ اس سے مراد عام جرائم ہیں) تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے تھے، پر جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ لیکن خدا کی قسم، اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے جاتے۔

یہ ہے اسلام کی فرمانروائی کی تصویر، اور یہ ہے وہ مساوات کی حقیقی تعلیم، جس کے ساتھ اعمال نبوت کا اسوۂ حسنہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ انقلاب فرانس نے یورپ کو استبداد و تسلط اور امتیاز افراد سے نجات دلائی، اور اس نے معلوم کیا کہ ہر انسان بلحاظ انسان ہونے کے انسان ہے، اگرچہ وہ سر پر تاج، اور ہاتھ میں عصائے حکومت رکھتا ہو۔ لیکن بااین ہمہ آج بھی، جبکہ تمام یورپ سے شخصی فرمانروائی کا جنازہ اٹھ چکا ہے، جبکہ قانون کی عزت سب سے بالاتر سمجھی جاتی ہے، جبکہ مساوات و آزادی کے غلغلوں سے اس

کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے ایک نظیر بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے، جس میں فرماں روائے وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مساوات انسانی کا اعلان کیا ہو، اور خود اپنے اوپر اس کا نمونہ پیش کرنے کے لیے آمادہ ہو؟

انگلستان میں بادشاہ قانون کا تابع بیان کیا جاتا ہے، اور امریکہ وفرانس میں پریسیڈنٹ ایک عارضی مشورہ فرمائے حکومت سے زیادہ نہیں، لیکن اگر واقعات ونظائر کے جمع کرنے پر متوجہ ہوں تو صدہا واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون نے اس دور مدنیہ وآزادی میں بھی اعلیٰ وادنی اور بادشاہ ورعایا کا ویسا ہی فرق قائم رکھا ہے، جیسا کہ ہندوستان میں (منو) کے زمانے میں تھا یا دور مظلمہ کی ان انسانی پرستشگاہوں کے عہد میں، جس کو آج تاریخ لعنت ونفرین کے ساتھ یاد کرتی ہے!

ہم کو یورپ کی ان عدالتوں کا نشان دو، جہاں بادشاہ وقت ایک معمولی فرد رعایا کے دعوے کی جوابدہی کے لئے آ کر کھڑا ہو، کیونکہ ہم نہ صرف مدینے کی اس سادہ عدالت کدۂ مسجد ہی میں، بلکہ دمشق اور بغداد کے پرشوکت عدالت خانوں میں بھی ایسا ہی دیکھ رہے ہیں۔ ہم کو وہ قانون بتلاؤ جس نے چوری کی سزا سپاہی کے لڑکے کی طرح بادشاہ کی لڑکی کو بھی دینی چاہی ہو، کیونکہ عرب کے اس قدوس ﷺ بادشاہ کا اعلان ہم پڑھ رہے ہیں، جو بادشاہتوں کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔

کیا آج بھی قانون عملاً ادنیٰ واعلیٰ میں تمیز نہیں کرتا؟ کیا کل کی بات نہیں ہے کہ انگلستان میں ایک مدعی کے جواب میں پارلیمنٹ نے اعلان کر دیا تھا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا؟ اور نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ عدالت اس کے نام سمن کر سکتی ہے یہ اعلان ہی نہیں ہے بلکہ قانون ہے، کیونکہ قانون نے بااین ہمہ ادعاء مساوات، بادشاہ کو عدالت کی

حاضری سے بری اور مستثنیٰ کر دیا ہے۔

صدیوں کی جدوجہد کے بعد دنیا کا آج حاصل حریت اس سے زیادہ نہیں، پھر وہ دعوت کیسی مقدس ومحترم، اور وہ مؤید من اللہ ہاتھ کیسا عظیم وجلیل تھا، جس نے چھٹی صدی کی تاریکی میں حریت ومساوات انسانی کا چراغ روشن کیا، اور اعلان کر دیا کہ

"لو ان فاطمة بنت محمد سرقت ، لقطعت يدها" صلى الله عليه و علىٰ اله و صحبه وسلم!

خلیفۂ اوّل کا اعلان اور مساوات کا تخیل عمومی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی جو پہلی تقریر کی تھی اس کے حسب ذیل فقرے پڑھو:۔

و ان اقوٰكم عندى الضعيف حتى اخذله بحقه، و ان اضعفكم عندى القوى ، حتى اخذمنه الحق (ابن سعد ۳۔ص ۱۲۹)

تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں اور جو ضعیف ہے وہ قوی ہے، تا آنکہ میں اس کو اس کا حق نہ دلوا دوں۔

اس مساوات کی تعلیم نے پیروان اسلام کے قلب و دماغ کو حریت ومساوات کے تخیل سے لبریز کر دیا تھا۔ فارس کی لڑائی میں جب مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ ایرانی سپہ سالار کے پاس سفیر بن کر گئے، اور تخت پر اس کے برابر بیٹھ گئے، تو درباریوں نے سوءادب دیکھ کر تخت سے اتار دیا تھا۔ اس پر ان کے منہ سے کس بے ساختگی کے ساتھ یہ الفاظ نکلے ہیں:۔

انا نحن معاشر العرب لا يتعبد بعضاً بعضاً (طبری ص ۱۰۸)

ہم مسلمانوں میں تو ایک دوسرے کو غلام سمجھنے کا دستور نہیں ہے، یہ تمہارا کیا حال ہے؟

امتداد زمانہ نے خصوصیات اسلام بہت کچھ مٹا دیے تاہم اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج بھی مہذب ترین ممالک میں سیاہ وسپید قومیں اپنی عبادت گاہوں میں ایک دوسرے کے ساتھ صف میں نہیں بیٹھ سکتیں، لیکن مساجد اسلامیہ میں ایک ادنیٰ ترین مسلمان ایک امیر الامراء بلکہ شاہ افغانستان کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوتا ہے، اور کوئی اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا، کیا ان تعلیمات وواقعات کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں مساوات نہیں؟ اور اس بارے میں وہ آج یورپ سے درس حریت لینے کا محتاج ہے؟

نظام جمہوری کا تیسرا رکن

امام یا خلیفہ کا تقرر انتخاب عام سے ہو، اور دوسروں پر حقوق میں اس کو کوئی ترجیح نہ ہو۔

اس مبحث کو ہم دو حصوں میں بیان کرینگے:۔

(ا) تاریخ شاہد ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا تقرر بحق وراثت یا باستبداد رائے نہیں ہوا بلکہ مجمع عام میں مہاجرین وانصار کی کثرت رائے سے (جو بمنزلہٗ ارکان خاص تھے) اور عام مسلمانوں کے قبول سے ہوا (جو بمنزلہ ارکان عام تھے) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب نشستگاہ بنو ساعدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک، مہاجرین وانصار کی تائید اور عامہ مسلمین کی پسندیدگی سے ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تحریک اور مہاجرین وانصار وعامۂ مسلمین کی تائید وقبول سے ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف وغیرہ کی ایک مجلس نیابی کے انتخاب اور عام اہل مدینہ کے مشورہ سے خلیفہ بنایا گیا۔ اسی طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ اہل مصر واہل مدینہ کی تجویز وقبول سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو صاف فرما دیا ''لا خلافۃ الا عن مشورہ'' (کنز العمال ج

۳ص ۱۲۹)

یعنی خلافت صرف عام مشورہ سے طے ہوسکتی ہے، شریعت میں اس کے تعین کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

واقعہ تحکیم میں حضرت امیر علیہ اسلام اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی میں بھی قوم ہی کی رائے سے مدد لینی پڑی، گو اس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نائب نے مکر و خدع سے کام لیا تھا، اور قوم کو دھوکا دینا چاہا تھا۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی تصریح

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر علیہ اسلام کو لکھا تھا کہ تم کو خلیفہ کس نے بنایا؟ حضرت جواب میں فرماتے ہیں:۔

انہ با یعنی القوم الذین با یعوا ابابکر و عمر و عثمان و علی با یعوھم علیہ، فلم یکن للشاھد ان یختار، ولا للغائب ان یرد، وا نما الشوری للمھا جرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماماً، کان ذلک رضی، فان خرج من امرھم خارج بطعن اوبدعۃ ردوہ الی ما خرج منہ، فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین۔ (نہج البلاغہ

جس قوم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور جن شرائط پر بیعت کی تھی، اسی نے انہی شرائط پر میری بھی بیعت کی۔ جو مجلس انتخاب میں موجود ہو اس کو حق نہیں کہ اپنی رائے پر اڑا رہے، اور جو غیر حاضر ہو اس کو حق نہیں کہ اپنی غیر حاضری کی بنا پر انتخاب عام کو رد کر دے۔ حق مشورہ مہاجرین و انصار کو ہے، اگر وہ کسی ایک شخص پر متفق الرائے ہو جائیں اور اس کا امام مقرر کر

ج۲ص۷مصر)

دیں تو یہ ان کی رضائے عام پر دال ہے، پس اگر کوئی ان کی متفق علیہ رائے سے کسی طعن یا بدعت کے سبب سے علیحدہ ہو تو ان پر واجب ہوگا کہ جس سے وہ علیحدہ ہوا اس کے قبول پر مجبور کیا جائے۔ اگر وہ اب بھی نہ مانے تو اجماع رائے مسلمین کی مخالفت کی بنا پر اس سے جنگ کریں۔

حقیقت یہ کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ان چند فقروں میں انتخاب خلافت و جمہوریت کے تمام ارکان کی بہترین تفصیل کردی ہے، اور ایسی تفصیل، جس سے بہتر تفصیل آج بھی نہیں ہوسکتی۔

یزید کی خلافت سے انکار

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل نے جب یزید کی نسبت مدینے میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ خلافت کے لئے امیر المومنین یزید حسب سنت اسلام خلیفہ ہوتے ہیں، تو فوراً ایک مسلمان نے کھڑے ہوکر علانیہ کہدیا کہ تم جھوٹے ہو۔ اسلام سے اس استبداد اور وراثت کو کیا تعلق؟ یوں کہو کہ وہ شاہان روم وفارس کی طرح بادشاہ ہوتا ہے! یہ واقعہ تمام تاریخوں میں موجود اور مشہور ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی رئیس کا تقرر اگر بشکل انتخاب نہ ہو تو وہ مسلمانوں کے نزدیک امام اسلام نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ قیصر وکسرائے اسلام سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت نے

اپنی مشہور حدیث میں اسی قسم کی حکومت کو ''ملک عضوض'' فرمایا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر نے انتقال کے وقت اعلان فرمادیا کہ بیٹے عبداللہ کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔

بنوامیہ

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دور فتن و بدعات شروع ہوتا ہے، جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کردیں۔ تاہم جب انہی میں قامع بدعت، محی السنۃ، حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے، تو گو حسب سنت، ''ملک عضوض'' سلیمان بن عبدالملک نے انہیں اپنا جانشین مقرر کردیا تھا، تاہم چونکہ ازروئے شریعت اسلام کسی امام کے نصب کے لیے اس قدر کافی نہ تھا، اس لیے انہوں نے مسجد عام میں فرمادیا:۔ مسلمانو! چونکہ ازروئے اسلام تمھارے انتخاب عام سے میرا تعین نہیں ہوا، اس لئے میں خلیفہ نہیں ہوں۔ تمھیں حق ہے کہ میرے سوا کسی اور کا انتخاب کرلو۔ ان کے اصل الفاظ یہ تھے:۔

ایھا الناس انی ابتلیت بھذا الا مر من غیر رای منی و لا طلبة ولا مشورة من المسلمین و انی قد خلعت ما فی اعناقکم من بیعتی فا ختا روا لا نفسکم غیری.

لوگو! میں اپنی رائے اور خواہش اور مسلمانوں کے عام مشورہ کے بغیر امارت کے عذاب میں مبتلا ہوگیا ہوں، اس لیے میں تم کو اپنی بیعت کے بارے سبکدوش کردیتا ہوں۔ اب تم اپنی رائے میں بالکل مختار ہو۔ میرے سوا جس کو چاہو اپنا امام بنالو۔

طریق بیعت بقیہ شوریٰ ہے

جس طرح ارتقائے انسانی کے بعد بھی گزشتہ اعضائے اثریہ کا وجود باقی رہ گیا

ہے۔ بعینہٖ اسی طرح گو بعد کی اسلامی حکومتوں سے خصوصیات حکومت اسلامیہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئیں، تاہم گذشتہ طرز حکومت کے بعض اعضائے اثریہ کا وجود اب تک باقی ہے۔ میری مراد اس سے "بیعت" ہے۔ بیعت کے یہ معنی ہیں کہ تمام افراد ملک اپنے اپنے حکام شہر کے دربار میں جمع ہو کر بادشاہ کی حکومت تسلیم کر لینے کا اقرار کریں، اور دارالحکومت میں بھی عہدہ داران کبار مثلاً وزرا، سرداران فوج، قضاۃ، امرا و حکام، اور اعیان بلد، بادشاہ کے حضور میں آ کر اعتراف حکومت و وعدۂ اطاعت کریں، دولت امویہ، دولت عباسیہ، اور تمام اسلامی سلطنتوں میں ہمیشہ اس پر عمل رہا۔ ہندوستان کی دولت مغلیہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے، اور ٹرکی میں ہر نئے سلطان کی تخت نشینی کے بعد اولیں دربار بیعت کا ہوتا ہے۔

فقہا و متکلمین

فقہا و متکلمین اسلام نے "امامت و حکومت" کی جو شرطیں قرار دی ہیں، ان سے بھی مسئلہ "انتخاب امام" پر روشنی پڑتی ہے، گو انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف حضرت ابوبکر و عمر کے طریق انتخاب کو اصول قرار دیکر لکھا ہے، تاہم انتخاب اور شوریٰ کو اصول اسلامی تسلیم کرتے ہیں۔

قاضی "ماوردی" المتوفی ۴۰۵ء لکھتے ہیں:۔

الامامة تنعقد بوجهين : احدهما باختيار اهل الحل و العقد، و الثاني بعهد الامام من قبل (الاحکام السلطانیہ ص ۵ مصر)	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے: ایک ملک کے اہل الرائے اشخاص کے انتخاب سے، دوسرے اس سے کہ امام سابق خود کسی کا نام متعین کر دے۔

علامہ ''تفتازانی'' شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:۔

و تنعقد الامامة بطرق : احدهما بيعة اهل الحل و العقد من العلماء والرئوسا و وجوه الناس (بحث امامت)	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے: ایک تو یہ کہ معززین قوم، رؤسا اور علماء وغیرہ اہل الرائے اشخاص بیعت کریں۔

سید سند اور قاضی عضد الدین مواقف و شرح مواقف میں جو عقائد اہل سنت کی موثق ترین تصنیف ہے لکھتے ہیں:۔

و انها (الامامة) تثبت بالنص من الرسول و من الامام السابق بالاجماع و تثبت ايضاً ببيعة اهل الحل و العقد عند اهل السنته و الجماعة و المعتزلة و الصالحية من الزيدية (ص۲۰۶)	خلافت، رسول اور امام سابق کی تعیین سے اجماعاً اور اہل حل و عقد ملک کی بیعت سے منعقد ہوتی ہے، اہل سنت و جماعت معتزلہ اور صالحیۃ زیدیہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔

دوسری جگہ اسی کتاب میں مذکور ہے۔

و لامة خلع الامام و عزله بسبب يو جب مثل ان يوجد منه مايوجب اختلال احوال المسلمين و انتكاس امور الدين كما كان لهم نصبه واقامته لانتظامها و اعلائها والهادى خلله الى الفتنه احتمل	''قوم کو حق حاصل ہے کہ کسی سبب سے خلیفہ کو معزول کرا دے۔ مثلاً اس سبب سے کہ مسلمانوں کے حالات اور امور دین کے انتظامات و تدابیر اس کے باعث خلل پذیر ہو جائیں، جس طرح کہ اس کو خلیفے کے تقرر و انتخاب کا حق

لادنی المصرین (ص ۲۰۷)

امور اسلامیہ کے انتظام و ترقی کے لیے تھا، اسی طرح معزولی کا بھی ہے اور اس کی معزولی سے فتنہ برپا ہو تو پھر معزولی اور خلل احوال مسلمین، ان دونوں میں سے جس کا ضرر کم ہو، اس کو برداشت کر لیا جائے گا۔

عام کتب عقائد موجودہ اور نظام حکومت اسلامیہ

یہ موقعہ نہیں کہ ان تصریحات متکلمین واصحاب عقائد کی نسبت زیادہ بحث کی جائے، تاہم چند اشارات ضروری ہیں:۔

(۱) کتب کلام وعقائد میں اصل اصول شوریٰ، واجماع امت، وانتخاب امام، وعدم تشخیص وتعین شخصی کو صاف طور پر لکھا ہے، اور گو اس سے ان کا مقصد نظام حکومت اسلامیہ کی تعبیر نہ تھا بلکہ زیادہ تر فریقانہ بحث وجدل، اور خلافت راشدہ کا اثبات، تاہم اصول مشورہ وجمہوریت کے اکثر مباحث اس کے ضمن میں آ گئے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ جس اہمیت و وسعت کے ساتھ اس مسئلے کو کتب عقائد وکلام بلکہ جمیع مدونات اسلامیہ میں ہونا چاہئے تھا، اور ایک ایسے اصولی اور بنیادی مسئلے کے لئے جس توجہ واعتنا کی ضرورت تھی، اگر اس کو پیش نظر رکھئے، تو نہایت درد وافسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا وہ کافی نہیں، اور جس نظر اہمیت کا وہ مستحق تھا، اس نظر سے عام طور پر ائمہ اسفار و اساطین قوم نے اسے نہ دیکھا۔

لیکن اس اغماض سے نفس مسئلہ کی اہمیت کی تضعیف صحیح نہ ہوگی، بلکہ دراصل یہ

حالت بھی مثل اور بہت سی حالتوں کے، نتیجہ ہے بنی امیہ کے اس تسلط اور احاطہ مستبدہ کا، جس کے اثر سے ہمارے ہر فن کا لٹریچر متاثر ہوا اور بدقسمتی سے عقائد و کلام کے تو بہت سے گوشے ہیں، جن سے اس کی صدائے بازگشت آج تک آ رہی ہے، بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت، اور اسلام و مسلمین پر ان کا اولین ظلم یہ تھا، کہ نظام حکومت اسلامیہ کا تختہ یکسر الٹ دیا، اور خلافت راشدہ جمہوریہ صحیحہ کی جگہ، مستبدہ ملک عضوض کی بنیاد ڈالی، یہ انقلاب بہت شدید تھا، اور بہت مشکل تھا کہ ملک کو اس پر راضی کیا جائے۔ صحابہ کرام ﷺ بھی موجود تھے ، اور خلافت راشدہ کے واقعات بچے بچے کی زبان پر تھے، اس لئے اس احساس اسلامی کو مٹانے کے لئے تلوار سے کام لیا گیا، اور جس نے قوت حق و معروف سے زبان کھولی اس کو زور شمشیر و خنجر سے چپ کرایا گیا۔ رفتہ رفتہ احساس منقلب ، اور خیالات پلٹنے لگے، اور حقیقت روز بروز مستور و محجوب ہوتی گئی۔

ان کے بعد بنی عباس آئے۔ اس میدان میں یہ بھی ان کے دوش بدوش تھے، تصنیف و تالیف اور تدوین علوم اسلامیہ کا عروج ہوا تو وہ اثر مخفی موجود تھا، اور کام کر رہا تھا یہ جو امام اور خلیفہ کے حق خلافت کے لیے فسق و معصیت کو بھی مضر نہیں سمجھتے، تو یہ کتاب وسنت کا اثر تو نہیں ہوسکتا، جو "وجعلنا من المتقین اماما" کی دعا تلقین کرتا ہے؟ پھر اگر یزید اور ولید کی خلافت کی صحت منوانا اس سے مقصود نہ تھا تو اور کیا تھا؟

ان تصریحات میں تم دیکھتے ہو کہ انتخاب خلیفہ کے لئے انتخاب عام و مشورہ اہل حل وعقد کے ساتھ خلیفہ سابق کی تعیین کو بھی ایک شکل صحیح قرار دیا ہے۔ دراصل اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب کی مثال پیش نظر ہے۔ لیکن غور کیجئے تو حضرت عمر ؓ کے لئے گو حضرت ابوبکر ؓ نے تحریک کی لیکن اس پر تمام ارباب حل وعقد، اور پھر عامہ مسلمین

نے پسندیدگی کا اظہار کیا، اس لیے وہ بھی تعیین شخصی نہیں، بلکہ بمنزلۂ انتخاب عام کے تھا۔ اس بنا پر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسلام نے سوائے انتخاب عام کے اور کوئی صورت تعیین خلفا یا ولی عہدی وغیرہ کی قرار نہیں دی ہے، اور اس لئے کتب عقائد کی تقسیم وتعدد طرق نصب امام بالکل غیر ضروری ہے۔

حضرات امامیہ گو امامت وخلافت کے لئے اجماع امت نہیں تسلیم کرتے، تاہم ان کا ایک فرقہ (جارودیہ زیدیہ) حق امامت کو آل حسن وحسین صلوۃ اللہ علیہا میں محدود قرار دینے کے باوجود بھی آل طاہرین میں سے ایک کا انتخاب حوالہ شوریٰ کرتا ہے۔ ان تشریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت کا جزو اعظم یعنی مسئلہ انتخاب مفقود ہے؟

دوسری بحث

مساوات حقوق ومال

یہاں تک اس بحث کا ٹکڑا تھا، اب ہم دوسرے ٹکڑے پر نظر ڈالتے ہیں۔

اسلام میں خلفاء کو عزت واحترام دینی کے علاوہ حقوق انتظامی ومالی میں کوئی تفوق وترجیح نہ تھی۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور ومسلم واقعہ ہے، اور اس کے ثبوت کے لیے تواتر عمل کافی ہے۔ تاہم سلسلہ بیان کے لئے چند اشارات کئے جائیں گے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ !!

گذشتہ صفحات میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عام مسلمانوں کے ساتھ طرز عمل کیسا تھا؟ اور کس مساویانہ حیثیت سے وہ تمام مسلمانوں سے ملتے تھے؟ سیرت نبوی

کے بے شمار واقعات میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں، جو اس مساوات سے مستثنیٰ ہو۔ وہ ہمیشہ لوگوں میں اس قدر مل جل کر بیٹھتے تھے جیسے اس مجلس کا ایک عام ممبر، اور ہمیشہ فرماتے "خدایا میں غریب ہوں۔ مجھ کو غریبوں میں زندہ رکھ، اور غریبوں ہی کے زمرہ میں اٹھا" کھانے کے وقت آپ اس طرح بیٹھتے، جس طرح ایک معمولی غلام، اور پھر فرط انکسار سے فرماتے:۔ "میں خدا کا غلام ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک غلام کھاتا ہے" اللہ اکبر۔

ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل!
مقام اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا!

خلیفۂ اسلام کے اختیارات

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اول خلافت میں جو سب سے پہلے تقریر کی اسکے بعض فقرے یہ ہیں:۔

ایھا الناس ! قدولیت امر کم و لست بخیر کم . ایھا الناس انا متبع و لست بمبتدع، فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی (ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۹)

لوگو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں گو میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں۔ کوئی نئی بات کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر میں کج ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو!

فتح شام کے بعد ایک مجلس شوریٰ میں ایک مسئلہ کی نسبت جب اختلاف آرا ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ اس کے چند الفاظ یہ ہیں:۔

فاني واحد ..... کا حدکم و لست اريد ان تتبعوا هذا الذی هوئ	کیونکہ میں بھی تم میں سے ایک کے برابر ہوں ـــــــــ میرا منشا یہ نہیں کہ میں جو چاہتا ہوں اس کو تم بھی مان لو۔
(کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۵)	

"کا حدکم" کے لفظ پر غور کرو! آج کل اکثر موقعوں پر پریسیڈنٹ کی رائے دو دوٹوں کے برابر ہوتی ہے، یا اس کو حق ویٹو حاصل ہوتا ہے، لیکن حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا کہ گو میں خلیفۂ وقت ہوں، تاہم میری رائے تمام اعضاء شوریٰ کی طرح صرف ایک ووٹ کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے زائد نہیں۔

اس سے پہلے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ "انا متبع ولست بمبتدع" یعنی اسلامی فرمانروا اس سے زیادہ کوئی درجہ نہیں رکھتا کہ وہ احکام کتاب وسنت کو ظاہر کرے اور ان کے عمل درآمد کے لیے بمنزلہ ایک محتسب کے ہو۔ خود اس کو کوئی رائے دینے کا حق نہیں۔

کیا آج یورپ کی بہتر سے بہتر جمہوریت میں کوئی اس کی نظیر مل سکتی ہے؟

فتد بروا وتفکروا یا اولی الالباب!

خلیفہ وقت کے مصارف

شخصی حکمرانی کا سب سے زیادہ ظالمانہ اور مکروہ نظریہ یہ ہے کہ قوم اور ملک کی دولت صرف فرد واحد کے آرام و تعیش کا ذریعہ ہوتی ہے، اور جبکہ اللہ کے ہزاروں بندوں کو زندہ رہنے کے لئے بدتر سے بدتر غذا بھی میسر نہیں آتی تو وہ سونے کے تخت پر لعل و جواہر کے دانوں سے کھیلتا ہے!

پس جمہوریت صحیحہ کا ایک نہایت اہم رکن یہ ہونا چاہئے کہ حصول عز و جاہ اور خرچ مال و دولت کے لحاظ سے عام رعایا اور والی ملک کا درجہ ایک کر دیا جائے اور کوئی ممتاز اور فوق

العادۃ حق اسے حصول مال وتسلط خزینہ کا نہ دیا جائے۔

اگر یہ سچ ہے تو دنیا کو رونا چاہئے کہ اب تک اس کی بدبختی ختم نہیں ہوئی۔ وہ حریت و مساوات کے نعرے جو نئے تمدن کی فضا کو ہمیشہ طوفانی رکھتے ہیں، افسوس کہ ابھی اصلیت وحقیقت کے حصول کے محتاج ہیں۔ انسانی آزادی کا وہ فرشتہ، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ''انقلاب فرانس'' کے پروں سے زمین پر اترا، گو بہت حسین ہے، مگر پورا کامیاب نہیں۔ آج بھی یورپ کو حریت کا سبق لینے کی ضرورت ہے۔ آج بھی وہ درس مساوات کا محتاج ہے۔ آج بھی اسے مضطرب ہونا چاہئے۔ تاکہ نوع انسانی کے احترام کے معمے کو حل کرے ، اور خدا کے یکساں اور ہم درجہ بندوں کو تفریق وامتیاز دنیوی کی لعنت سے چھوڑانے کی معرفت حاصل کرے۔

یہ سب کچھ اسے اسلام ہی سکھاتا ہے۔ وہ کل کی تاریکی کی طرح آج کی روشنی میں بھی اس کا محتاج ہے۔ کیونکہ ''انسانی مسئلہ'' کے حل کی روشنی صرف اسی کے پاس ہے۔

یورپ کہتا ہے کہ مساوات اور حریت کا وہ معلم ہے۔ ہم اس کو سچ مان لیتے ہیں۔ لیکن پھر یہ کیا ہے، جو اب تک بادشاہوں کے سروں پر نظر آتا ہے؟ یہ کس کی دولت ہے، جو تاج شاہی کے ہیروں میں دفن کی جاتی ہے؟

وہ سر بفلک عمارتیں، وہ عظیم الشان محل وایوان، وہ انسانی ترقی کے بہتر سے بہتر وسائل تعیش، اور ذرائع آرام وراحت جو آج بھی اس کے بادشاہوں اور پریسیڈنٹوں کے لئے لازمی سمجھے جاتے ہیں، کہاں سے آتے ہیں، اور کن کا خون ہے، جنکے قطروں سے عظمت وکبریائی کی یہ چادر رنگی جاتی ہے؟

اگر یورپ نے مساوات انسانی کا راز پالیا ہے، تو پھر اب تک بادشاہ ورعیت کے

حقوق وامتیازات میں یہ فرق کیوں ہے؟

یورپ کی مساوات یہ ہے کہ بادشاہ کے ہاتھ سے مطلق العنانی کی باگ چھین لے، مگر اسلام صرف اتنے ہی کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ وہ ان کے سروں پر سے تاج، اوزا نکے نیچے سے تخت بھی کھینچ کر الٹ دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی انسان کو محض خلیفہ وقت ہونے کی بنا پر یہ حق دینا جائز نہیں رکھتا کہ لاکھوں انسانوں کے سر پر ٹوپیاں ہوں، مگر اس کا ایک سر ہیروں اور موتیوں سے لیپا جائے!

مدینے کا وہ قدوس ﷺ بادشاہ چٹائی پر سوتا تھا، اور اس کے جسم مبارک پر داغ پڑ جاتے تھے، اس کے جانشین عین اس وقت، جبکہ روم وعجم کے تخت الٹنے کے لئے حکم دینے والے تھے، پھٹے کملوں کو جسم پر رکھتے تھے، اور پتوں کی جھونپڑی کے نیچے سوتے تھے۔

آج یورپ کے بادشاہوں کی ان تنخواہوں پر نظر ڈالو، جو ملک کا خزانہ بے دریغ ان پر لٹا رہا ہے:۔

شاہ انگلستان کی تنخواہ

جیب خرچ	۱۱۰۰۰۰ پاؤنڈ	ماہوار
ملازموں کی تنخواہ	۱۲۵۸۰۰ پاؤنڈ	ماہوار
گھر کا خرچ	۱۹۳۰۰۰ پاؤنڈ	ماہوار
محلات شاہی کی آرائش کے لیے	۲۰۰۰۰ پاؤنڈ	ماہوار
انعامات وخیرات کے لیے	۱۳۲۰۰ پاؤنڈ	ماہوار
متفرق اخراجات	۸۰۰ پاؤنڈ	ماہوار
میزان کل	۴۷۰۰۰۰ پاؤنڈ	ماہوار

بحساب روپیہ ۷۵۰۰۰۰ روپیہ ماہوار

اس میں شاہزادۂ ویلز کے ۳ لاکھ، اور دیگر شاہزادوں کی رقوم شامل نہیں ہیں۔ ۷۰ لاکھ ۸۰ ہزار روپیہ صرف بادشاہ کی ذات خاص کے لئے ہے!!

شہنشاہ جرمنی

مجموعی رقم ماہوار بحساب روپیہ ۹۰۰۰۰۰ روپیہ

بطور نمونے کے ہم نے دو بڑے بادشاہوں کی تنخواہیں درج کر دیں۔

اب ذرا دیکھو کہ اسلام نے مسلمانوں کے بادشاہ کے لئے کیا تنخواہ رکھی ہے؟ اور خود ان کا مطالبہ اپنی تنخواہ کی نسبت کیا تھا؟

خلیفۂ اسلام کے مصارف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر خود ہی اپنے مصارف بتلا دئے:۔

اخبر کم بما یستحل لی منه حلتان: حلة فی الشتاء و حلة فی القیظ، و ما احج علیه و اعتمر من الظهر. و قوتی و قوت اهلی کقوت رجل من قریش با غناهم و لا با فقرهم. ثم انا بعد رجل من المسلمین یصبنی ما اصابهم (ابن سعد ج ۳، ص ۱۹۸).

میں خود بتاتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے کتنا لینا جائز ہے؟ دو جوڑے کپڑے۔ ایک جاڑے کے لیے اور ایک گرمی کا۔ ایک سواری جس پر حج اور عمرہ ادا کروں اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے اخراجات طعام کے برابر اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اخراجات طعام۔ اس کے بعد میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں، جو ان کا حال ہے، وہی میرا حال ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تصریح اور خلافت اسلامی کی اصلی تصویر

معاذ بن جبلؓ ایک بڑے پایہ کے صحابی ہیں۔روم کے دربار میں سفیر بن کر گئے تھے۔رومی سردار نے قیصر کے جاہ وجلال اور اعزاز واختیارات سے ان کو مرعوب کرنا چاہا یہاں مسلمانوں پر دوسرا ہی رنگ چھایا ہوا تھا۔جن کے دلوں میں جلال خداوندی کا نشیمن ہو۔ان کی نظروں میں اس طلسم زخارف دنیوی کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟

حضرت معاذؓ نے امیر عرب کے اختیارات کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی ،وہ حسب ذیل ہیں:۔

وامیرنا رجل منا، ان عمل فینا بکتاب دیننا و سنته نبینا قررناه علینا و ان عمل بغیر ذلک عزلناه عنا و ان هو سرق قطعنا یده ، و ان زنا جلدناه ، و ان شتم رجلا مناشتمه بما شتمه ، و ان جرحه اقاده من نفسه ، ولا یحتجب منا و لا یتکبر علینا ، ولا یستاثر علینا فی فیئنا الذی افاء ہ الله علینا و هو کر جل منا (فتوح الشام ازدی ص۱۰۵ کلکتہ)

ہمارا خلیفہ ہم میں کا ایک فرد ہے،اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا خلیفہ ہی رکھیں ورنہ اس کو معزول کر دیں۔اگر وہ سرقہ کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالیں ، اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیں،اگر وہ ہم میں سے کسی کو گالی دے تو وہ بھی برابر کی گالی دیا جائے۔اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ دینا پڑے وہ ہم سے چھپ کہ قصر وایوان میں نہیں بیٹھتا۔وہ ہم سے غرور وتکبر نہیں کرتا ۔وہ تقسیم غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح

نہیں دیتا، وہ ہم میں ایک معمولی

آدمی کا رتبہ رکھتا ہے اور بس۔

ان الفاظ کو غور سے پڑھو۔ کیا اس سے واضح تر، اس سے روشن تر، اس سے صحیح تر، اس سے موثر تر الفاظ میں جمہوریت کی حقیقت ظاہر کی جاسکتی ہے؟ کیا حکومت عام کی اس سے بہتر نوعیت ہوسکتی ہے؟ کیا مساوات نوعی اور عدم تفوق وترجیح افراد کی اس سے بہتر مثال تاریخ عالم پیش کرسکتی ہے؟ اللہ بنی امیہ سے انصاف کرے، جنہوں نے اسلام کی اس مقدس تصویر مساوات کو اپنی کثافتِ اغراض ونفس سے ملوث کردیا اور اس کی بڑھتی ہوئی قوتیں عین دورِ عروج میں پامال مفاسد واستبداد ہوکر رہ گئیں! **ضلّوا فاضلّو، فویل لهم ولاتباعهم!**

اللہ اللہ! آج دنیا کی ایک وہ قومیں ہیں، جن کے پاس کچھ نہ تھا پر آج انہوں نے حاصل کیا، اور ایک ہم ہیں کہ خزانے کے خزانے لیکر آئے تھے، مگر آج سوائے ذکر عیش کے خود عیش کا کہیں وجود نہیں!!

آئندہ و گذشتہ تمناؤ حسرت ست
یک کاشکے بود کہ بصد جاں نوشتہ ایم

شرک فی الصفات

کلمات تعظیم وتجلیل کے عجیب وغریب القاب ہیں، جو ملوک وسلاطین عالم کے ناموں سے پہلے نظر آتے ہیں، اور جن کے بغیر ذات شاہانہ کی طرف اشارہ کرنا بھی سوء ادب کی اخیر حد ہے، مگر موقع خلافت اسلامیہ میں ان کی مثال ڈھونڈھنا بیکار ہوگا۔ ایک ادنیٰ مسلمان آتا ہے اور ''یا ابا بکر رضی اللہ عنہ'' اور ''یا عمر رضی اللہ عنہ'' کہہ کر پکارتا ہے اور وہ خوشی سے

جواب دیتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ جو الفاظ تعظیمی استعمال ہو سکتے ہیں، وہ ''خلیفۃ رسول اللہ'' اور ''امیر المومنین'' ہیں، اور جو مدح نہیں بلکہ واقعہ ہے امراو حکام ملک بھی انھیں الفاظ سے خلفا کو خطاب کرتے تھے۔

خود آنحضرت ﷺ کی بھی یہی حالت تھی۔آپ اپنی نسبت لفظ آقا (سید) تک سننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ایک معمولی بدوی آتا تھا اور ''یا محمد ﷺ'' کہہ کر خطاب کرتا تھا۔

ایک بار ایک بدوی حاضر ہوا۔اور ڈرتا ہوا۔آگے بڑھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:۔

''تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ میں اس ماں کا بیٹا ہوں جو قدید (ایک معمولی عربی کھانا) کھاتی تھی (یعنی ایک معمولی عورت کا بیٹا ہوں)''

سبحان اللہ!

چہ عظمت دادۂ یارب بخلق آں عظیم الشاں
کہ ''انی عبدہ'' گوید بجائے قول ''سبحانی''

ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو خدمت نبوی میں بھیجنا چاہا۔اس نے باپ سے پوچھا کہ اگر حضور اندر تشریف فرما ہوں تو میں کیونکر آواز دونگا؟ باپ نے کہا:۔

''جان پدر! کاشانہ نبوت دربار قیصر و کسریٰ نہیں ہے۔حضور کی ذات تجبر و تکبر سے بلند ہے آپ اپنے جاں نثاروں سے ترفع نہیں کرتے!''

اللھم صل علی افضل الرسل و اکملھم محمد، و علی افضل المسلمین و اکملھم الله الابرار، و اصحابه الاخیار.

ماضی و حال

یہ حالت تو تاریخ اسلام کی افضل ترین ہستی سے لیکر اسکے خلفا و جانشین تک کی تھی، لیکن اس کے مقابلے میں آج بھی بادشاہتوں اور ریاستوں کو چھوڑ کر صرف اپنی قوم کے ان

لوگوں کو دیکھو، جن کے پاس جائداد کا کوئی حصہ یا چاندی سونے کے کچھ سکے جمع ہو گئے ہیں۔ ان میں بہت سے لوگ دولت کو تمام فضیلتوں کا منبع قرار دیتے۔ اور اس لئے لیڈری اور پیشوائی کے بھی مدعی ہیں۔ ان میں بہت سے فراعنہ اور نمارد ہ تم کو ایسے ملیں گے جن کا نام اگر ان خطابوں سے الگ کر کے زبان سے نکالا جائے، جو ان کے شیطانی خبث غرور نے گھڑ لئے ہیں، یا حکومت کی خوش آمد و غلامی کا اصطباغ لیکر حاصل کئے ہیں، تو ان کے چہرے مارے غیظ وغضب کے درندوں کی طرح خونخوار ہو جاتے ہیں، اور چار پایوں کی طرح ہیجان غصہ وغلاظت کو روک نہیں سکتے۔

رسول خدا ﷺ اور ان کے جانشین اپنے تیئں محض ایک متبع کتاب وسنت سمجھتے تھے۔ اور ایک معمولی باشندۂ مدینہ کے برابر قرار دیتے تھے۔ وہ پکار پکار کہتے تھے کہ میں اسی وقت تک تمھارا امیر ہوں، جب تک حق وشریعت کے مطابق چلوں، اور اگر میں کجروی اختیار کروں تو تم مجھ کو سیدھا کر دو۔ پھر آجکل کے ان بدترین نسل فراعنہ سے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا تمرد اور کیا نمرودیت ہے؟ اگر ان کو خود اپنے لئے اسلام عزیز نہیں تو کیا اپنی قوم کے اسلام کو بھی کفر سے بدل دینا چاہتے ہیں؟

کیا وہ بھول گئے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ ہیں، جنھوں نے خلفائے رسول کو ان کے ناموں سے پکارا، ان کو بات بات پر ٹوکا، ان پر سخت سے سخت اعتراض کئے، ان کو خطبہ دیتے ہوئے روک دیا۔ اور اس رسول کی امت ہیں، جس نے ایک موقعہ پر اپنے جاں نثاروں کو اپنی تعظیم کے لئے بھی کھڑے ہونے سے روک دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ **"لاتقوموا کالاعاجم"** یعنی عجم کے تاج پرستوں کی طرح میری تعظیم نہ کرو، کہ اسلام کی توحید اس سے مبرا ہے؟ پھر کیا ہے، جس نے ان کے نفس کو مغرور کر دیا ہے، اور وہ کونسا ورثہ عظمت وجلال ہے، جو تکبر وغرور کی طرح، ان کو اپنے مورث اعلیٰ فرعون ونمرود سے ملا ہے؟ اگر دولت کا گھمنڈ ہے تو مجھے اس میں شک ہے کہ ان کے پاس جہل کی طرح دولت بھی کثیر ہے۔ اگر اپنے ان پرستاروں اور مصاحبوں کا انہیں غرور ہے، جو غلامی اور دولت پرستی کی

غلاظت کے کیڑے ہیں، تو میں یہ باور کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں پاتا کہ وہ دنیا کی مغرور و مستبد بادشاہتوں سے بھی بڑھ کر اپنے غلاموں اور پرستاروں کا حلقہ اپنے اردگرد رکھتے ہیں ۔ بہر حال خواہ کچھ ہو، مگر میری آواز کا ہر سامع آج انہیں ان کی موت اور ناکامی کا پیام پہونچا دے ۔ اب ان کی تباہی و بربادی کا آخری وقت آ گیا۔ وہ دنیا جس نے بحر احمر میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق ہوتے دیکھا تھا، اور جو اس طرح کے ان گنت تماشے ہزاروں دیکھ چکی ہے، وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان کے اندر، بحر حریت وصداقت میں جس کی موجیں نہ صرف نام ہی میں بلکہ حقیقت میں احمر ہوں گی، ان مغرور اور متمرد لیڈروں کے غرق ہونے کا بھی تماشہ دیکھ لے۔

اذا جاء موسیٰ والقی العصا

فقد بطل السحر والساحر

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ • فَأَخَذْنَهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَهُمْ فِي الْيَمِّ ج فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّلِمِينَ • وَجَعَلْنَهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ج وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنْصَرُونَ

(۲۸:۳۸-۴۱)

اور فرعون اور اس کے لشکر نے زمین پر ظلم واستبداد کے ساتھ بہت گھمنڈ کیا، اور وہ نادان سمجھے کہ مرنیکے بعد گویا انہیں ہماری طرف لوٹنا ہی نہیں ہے پس ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو بالآخر اپنے دست قدرت سے پکڑ لیا، اور سمندر کی موجوں میں پھینکدیا، پھر دیکھو کہ حق سے منحرف ہونے والوں کا کیسا بُرا انجام ہوتا ہے! ہم نے فرعونیوں کو انسانوں کی پیشوائی اور لیڈری تو دی تھی، مگر وہ ایسے لیڈر تھے، جو ہدایت اور رہنمائی کی جگہ، قوم کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔ قیامت کے دن ان کی پیشوائی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جبکہ کوئی ان کا مددگار اور حامی نہ ہوگا!

توطیۂ مباحث آیۃ

اور مباحث گذشتہ پر ایک اجمالی نظر

(۱)

ہم نے آغاز تحریر میں اس سیاسی انقلاب پر اجمالی نظر ڈالی تھی ۔ جو ظہور اسلام سے عالم انسانیت میں طاری ہوا۔ ہم نے اُسر وغلامی اور استبداد وحکم ذاتی کی وہ بیڑیاں دیکھی تھیں، جن کے ذریعہ انسانیت کے پاؤں جکڑ دیئے گئے تھے۔ پھر چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں ہم نے اس حربہ حریت الہیہ کو بلند ہوتے دیکھا، جو جبل (بوقبیس) کی غاروں میں ڈھالا گیا تھا۔ مگر اس کی چوٹیوں پر سے چمکا تھا۔ بالآخر وہ چمکا اور بلند ہوا اور پھر اس زور وقوت سے ان بیڑیوں پر گرا، کہ ''الحکم للہ العظیم الکبیر'' کے ایک ہی ضربہ بے امان وآہن پاش میں، ان کے تمام آہنیں حلقے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر گئے، اور خدا کے بندوں کے پاؤں اس کی طرف دوڑنے کے لئے آزاد ہو گئے!!

وَ قَاتِلُوْا هُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ. (۲۔۱۹۲)

اور ظالموں سے مقابلہ کرو، یہاں تک اللہ کی سرزمین ظلم ومعصیت اور ماسوائے اللہ پرستی کے فتنہ سے پاک ہو جائے ، اور شریعت وحکم کا تمام تسلط صرف اللہ ہی کے لیے ہو جائے، کیونکہ اس کے سوا دنیا میں حکم وتسلط کسی کو سزاوار نہیں

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳-۱۰۳)

اس کے بعد ہم نے موجودہ عہد جمہوریہ وآئینی پر نظر ڈالی اور اسکے نظام اساس کی جستجو وسراغ میں نکلے۔ ہم کو چند اصول بتلائے گئے۔ جنکی تاسیس کا فخر وادعا موجودہ ''عصر منور'' کا بنیاد شرف اور اساس امتیاز ہے۔ لیکن ہم نے مڑ کر دیکھا تو تیرہ سو برس پیشتر کے گذرے ہوئے ''دور ظلمت'' میں ایک ہاتھ نظر آیا، جو اسی مصباح فروزندۂ حریت و جمہوریت کی ضیا و نورانیت سے تمام ظلمت کدۂ عالم کی تاریکی کا تنہا مقابلہ کر رہا تھا!

بالآخر وہ فتحیاب ہوا، ظلمت انسانی پر نور الٰہی نے نصرت پائی، اور وہی آفتاب ارشاد وہدایت ہے، جس سے کسب انوار وتجلیات کر کے آج دنیا کے تمام گوشوں نے اپنے اپنے چراغ روشن کر لیے ہیں۔

یک چراغیست دریں خانہ، کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا !(۳۳:۴۶-۴۵)

اے پیغمبر! ہم نے تم کو دنیا کے لیے گواہی دینے والا، سلطنت الٰہی کے قیام کا بشارت دہندہ، ظلم وعصیاں کے نتائج سے ڈرانے والا انسانوں کی غلامی سے بغاوت اور اللہ کی ذمہ داری کی دعوت دینے والا اور مختصر یہ کہ ہر طرح کی تاریکیوں کو مٹانے کے لیے ایک روشن و منور چراغ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔

وہ چراغ جو انسانی ہاتھوں سے بلند کیے گئے ہیں، بجھ سکتے ہیں، کیونکہ خود انسان کے چراغ حیات کو قرار نہیں۔ پر جو "سراج منیر" اللہ کے مقتدر غیر فانی ہاتھوں سے روشن ہوا ہے۔ اس کی نورانیت کے لئے کبھی اطفاء وزوال نہیں ہوسکتا۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ! (۳۵:۲۴)

نور (ہدایت نبوت) کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک (بلندورفیع) طاق ہے اور اس پر ایک منور وفروزندہ چراغ روشن ہے!

اللھم صلی و سلم علیه ، و علیٰ اله الواصلین الیه !

(۳)

مشہور (انقلاب فرانس) کے مصائب وشدائد کے بعد (جو یورپ میں حریت وجمہوریت کے مذبح کی سب سے بڑی اور آخری قربانی تھی) موجودہ جمہوریت کا اصلی دور شروع ہوتا ہے، ہم نے بتلایا تھا کہ اس دور کے اساس اولین پانچ دفعات ہیں جیسا کہ مشہور فرانسیسی مورخِ حال OH SEIQ NOBOS نے اپنی تاریخ انقلاب تمدن میں تصریح کی ہے۔

(۱) استیصال حکم مطلق وذاتی۔ یعنی حق حکم وارادہ اشخاص کی جگہ افراد کے ہاتھ میں جائے۔ شخص، ذات اور خاندان کو تسلط وحکم میں کوئی دخل نہ ہو۔ اسی کے ذیل میں پریسیڈنٹ کا انتخاب بھی آ گیا۔ جس کو اسلام کی اصطلاح میں خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کے انتخاب میں کسی حق خاندانی کو دخل نہیں۔ ملک انتخاب کرے اور اسی کو حق عزل ونصب ہو۔

(۲) مساوات عامہ، جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔

مساوات جنسی، مساوات خاندانی، مساوات مالی، مساوات قانونی، مساوات ملکی وشہری وغیرہ وغیرہ، اسی بنا پر پریسیڈنٹ کو بھی عام باشندگان ملک پر کوئی تفوق وترجیح نہ ہو۔

(۳) خزانہ ملکی (باصطلاح اہل اسلام بیت المال) ملک کی ملکیت ہو۔ پریسیڈنٹ کو اس پر کوئی ذاتی حق تصرف نہ ہو۔

(۴) اصول حکومت ''مشورہ'' ہو، اور قوت حکم وارادہ افراد کی اکثریت کو ہو۔ نہ کہ ذات وشخص۔

(۵) حریت رائے وخیال اور مطبوعات (پریس، کی آزادی اسی کے تحت میں ہے۔ یہی اصول اساسی ہیں جن کو پروفیسر واٹسن رینی نے انگلستان کے نظام حکومت کی مشہور وزیردرس کیمبرج تاریخ میں بیان کیا ہے۔

لیکن جمہوری نظام حکومت کے یہ اصلی عناصر نہیں ہیں۔ اگر ان کی تحلیل وتفرید کی جائے، تو بہت سے مرکبات الگ ہو جائیں گے، اور آخر میں صرف ایک ہی عنصر بسیط باقی رہے گا جو دفعہ (۱) میں بیان کیا گیا ہے یعنی:۔

''قوت حکم وارادہ اشخاص و ذوات کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بلکہ جماعت و افراد کے قبض وتسلط میں''

مختصر لفظوں میں اس کی تعبیر اس ایک جملہ میں ہو سکتی ہے کہ ''نفی حکم ذاتی و مطلق'' باقی چار دفعات میں جو امور بیان کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ مساوات حقوق مالی وقانونی، اساس مشورہ وانتخاب، عدم اختیار تصرف خزانہ ملکی، حریت آراء ومطبوعات وغیرہ وغیرہ، سب ''نفی حکم ذاتی و مطلق'' ہی کی تفسیر ہیں۔ (الهابقية صالحة)

(۴)

موجودہ جمہوریت وحریت کا پہلا سال ۱۷۸۹ء سمجھا جاتا ہے جبکہ ۱۴ جولائی سے

(انقلاب فرانس) کی تحریک کا آغاز ہوا اور رجال انقلاب نے مشہور قلعہ (باسٹیل) پر قبضہ کر لیا۔

یہ زمانہ اگرچہ انسانی جذبات کی شورش وطوائف الملوکی کا ایک ہیجانی دور تھا اور ایک عہد کے انتظام کے بعد دوسرے کے آغاز سے پہلے ایسا ہونا ضروری ہے تاہم ایک جمعیۃ وطنیہ موجود تھی جو اس وقت تمام اعمال وامور انقلاب کی حکومت اپنے ہاتھوں میں رکھتی تھی اور یہ برابر قائم رہی، تا آنکہ ۱۷۹۱ء میں اس نے فرانس کے پہلے دستور کا اعلان عام کیا۔

یہ جمعیت انقلاب سے پہلے ۱۷ جون ۱۷۸۹ء کو قائم ہوئی تھی اور تمام دور انقلاب اسی کے زیر حکومت رہا۔

(واقعہ باسٹیل) کے بعد ۴ اگست کی شب کو جمعیت نے اپنا مشہور ''منشور انقلاب'' شائع کیا تھا جس نے تاریخ میں اولین ''فرمان حریت'' کے لقب سے جگہ پائی ہے۔ اس میں انقلاب کی تکمیل کا اعلان تھا اور دنیا کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ شاہد حریت، جو اپنی رونمائی میں انسانی خون اور لاش کی پہلی قربانی قبول کر چکی ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ برقعہ الٹ دے اور دنیا کے سامنے اپنا نظارہ امن عام کر دے۔

اس منشور میں سب سے پہلے نظام حکومت قدیمہ کی بعض خصوصیات بتلائی تھیں، پہلے مقصد انقلاب کی تصریح کی تھی۔ آخر میں اعلان عام تھا کہ پچھلے عہد کے تمام اعمال و آثار آئندہ کے لیے کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں۔

اس منشور میں لکھا تھا کہ قدیم نظام حکومت کا سب سے بڑا عذاب انسانیت پر یہ تھا کہ پادشاہ کا تسلط جز وکل پر حاوی تھا اور اس کو ''رئیس مطلق'' کی حیثیت بغیر کسی مطالبہ و

مسئولیت کے حاصل تھی۔

پھر اس کے بعد آئندہ حالت کی الفاظ ذیل میں تصریح کی تھی:۔

''جمعیت وطنیہ نے جو کچھ کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے حکومت مطلقہ سے پادشاہ کو محروم کر دیا، وہ ملک و امت کو اس کا مستحق قرار دیتی ہے۔

آج کے دن سے حکومت مطلقہ منہدم ہوگئی اور اہل وطن میں باہم امتیاز و فضیلت کا دور ختم ہو گیا۔ اب ملک بادشاہ سے اور وطنیہ عدم مساوات سے آزاد ہے!

جمعیت وطنیہ گزشتہ زمانہ کے ان تمام آثار و اعمال کو کالعدم قرار دیتی ہے جن کی وجہ سے حریت و مساوات اور حقوق عامہ کو ایک ادنیٰ سے ضرر کا بھی احتمال ہے۔

اب نہ ارباب عزّ و دولت کے لیے کوئی امتیاز باقی رہا، نہ زمینداروں کے لیے حق فضیلت و استیلا، وراثت سے کوئی حق پیدا نہیں ہوتا اور نہ طبقات و مدارج کا اختلاف کوئی شے ہے۔ تمام القاب و خطابات جو کل تک لوگوں کو حاصل تھے، آج کے دن سے یقین کر لیا جائے کہ بالکل بیکار و کالعدم ہو گئے ہیں۔

محض وراثت کی بنا پر کسی کو حکومت سے وظیفہ نہیں مل سکتا۔ کسی جماعت کو یا کسی فرد واحد کو ایک ادنیٰ سا بھی امتیاز ان قوانین عامہ سے بری ہونے کا نہیں جو ہر فرانسیسی پر نافذ ہوں گے۔

(۵)

مبادیٔ حریت

لیکن اب تک نظام حکومت کا کوئی قانون مرتب نہیں ہوا تھا۔ ایک مجلس تشریع (واضع قوانین) قائم کی گئی تھی، تا کہ فرانس کا دستور مرتب کرے۔ اس مجلس نے وضع

قوانین سے پہلے بطور مبادی دستور وحریت کے چند دفعات مرتب کیں، اور انہی کو تمام نظامات وقوانین کا اساس واصل الاصول قرار دیا۔

یہ مبادی حریت ایک اعلان کی صورت میں قلمبند کئے گئے تھے اور ۱۷۷۹ء میں چھپ کر جمعیت کی طرف سے شائع ہوئے تھے۔

حقوق انسانی کا یورپ میں اعلان

ان مبادیات کا خلاصہ یہ تھا:۔

انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور آزادی ہی کے لیے زندہ رہتا ہے۔ تمام انسان بلحاظ حقوق مساوی ہیں۔

حقوق طبیعی پانچ ہیں:۔ حریت، تملک، امن، مقاومت

(حریت) کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو قدرت حاصل ہو کہ ہر اس کام کو کر سکے، جسے بغیر کسی دوسرے کو نقصان پہونچائے وہ کر سکتا ہے۔

(تملک) سے مقصود اپنی ملکیت صحیح وقانونی کے قبض وتصرف کے کامل حق کا ملنا ہے۔ یعنی ہر شخص اپنی املاک کا مالک ہو اور کوئی اس سے چھین نہ سکے۔

(امن) سے مقصود یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ پر محفوظ و بے خطر ہو اور صرف قانون کی خلاف ورزی ہی کہ ایک صورت ایسی ہو، جو اس کے امن میں خلل ڈال سکے۔

(مقاومت) سے مقصود جور وظلم اور حملہ واقدام مجرمانہ کی مقاومت ہے یعنی ہر شخص اپنی حفاظت کے وسائل اختیار کرنے کی قدرت رکھتا ہو، ظلم وجور کے خلاف احتجاج (پروٹسٹ) کر سکے۔ قانون ارادہ عامہ کا مظہر ہے۔ پس ہر وطنی کو حق ہو کہ وہ ذاتی طور پر یا بتوسط وکلا مجلس اعلیٰ (سینٹ) میں شرکت کر سکے۔

ہر وطنی بلحاظ وطنی ہونے کے یکساں حکم سے مؤثر ہو۔اس بنا پر ہر شخص کے لیے ممکن ہو کہ وہ بڑے سے بڑے عہدے کو اور اعلیٰ سے اعلیٰ وظیفہ کو حسب اقتدار و اہلیت حاصل کر سکے۔

کسی انسان کے لیے کسی حالت میں جائز نہ ہو کہ وہ کسی انسان کو قید کر سکے، یا اور کوئی ایسا ہی سلوک کر سکے۔ الا انہی صورتوں میں، جو قانون نے مقرر کر دی ہوں، اور اسی طریقہ پر، جو اس نے قرار دے دیا ہو، کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اپنی رائے کے اظہار سے روکے، اگر چہ وہ دینی ہو اور عام اعتقادات دینیہ کے مخالف۔ البتہ اس صورت میں اس کا اظہار روکا جا سکتا ہے جبکہ وہ قانون کے لحاظ سے امن عامہ کے لیے مضر ہو۔

ہر وطنی کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنی رائے وفکر کے مطابق گفتگو کرے اور لکھے پڑھے، یا چھاپ کر شائع کرے۔

اسی طرح ہر وطنی کو حق توزیع و اشاعت حاصل ہے۔

''حق تملک'' ایک مقدس حق ہے۔ کسی شخص کی طاقت نہیں کہ کسی کی ملکیت اس سے چھین سکے۔ البتہ مصالح عامہ سب پر مقدم ہیں۔ لیکن اس کے لیے بھی جب تک قانونی صورت نہ ہو، کوئی شخص اپنی ملکیت سے دست بردار ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

موجودہ تحریک انقلاب کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کہ ''حق حکم و تسلط'' اشخاص کو نہیں بلکہ امت اور ملک کو حاصل ہو۔ جمیع ابنائے وطن اپنے تمام حقوق میں مساوی ہو جائیں، حریت سے متمتع ہوں اور ہر طرح مامون و مصئون رہیں۔ پس امت فرانسوی کا شعار وطنی حریت، مساوات اور اخوت قرار پایا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ کی موجودہ جمہوریت کا مبدء سعادت مجلس تشریع فرانس کا یہی اعلان تھا۔ تاریخ نے اسے ''اعلان حقوق الانسان'' کے لقب محترم سے محفوظ رکھا ہے اور ہمیشہ محفوظ رکھے گی۔

(۶)

ہم نے اس حصہ بیان کو اس لیے کسی قدر طول دیا، تاکہ انقلاب فرانس کی انتہائی حد حریت و جمہوریت سامنے آ جائے۔ نیز اندازہ کیا جا سکے کہ یورپ کی موجودہ جمہوریت کے خلاصۂ امور و مبادی نظام و اساس کیا کیا ہیں؟

یہ انقلاب فرانس کے تلاش حریت و مساوات اور جستجوئے حقوق انسانی کی انتہائی سرحد تھی۔ یہی مبادی حریت ہیں جن کو انسانی آزادی کے سب سے آخری سوال کے جواب میں آج یورپ بتلا سکتا ہے۔

اس اعلان مبادی حریت میں بھی دراصل وہی ایک اصل اصول حریت اس کی ہر دفعہ کے اندر موجود ہے، جس کی طرف گذشتہ مضمون میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ تمام دفعات کا اگر خلاصہ ایک جملہ میں کرنا چاہیں تو صرف یہی ہوگا کہ ''السلطة للامة'' یعنی حق حکم و تسلط صرف امت ہی کے لیے ہے۔

چنانچہ اس کے بعد یہی اصل اصول فرانس کی تمام دستوری اور جمہوری جماعات کے پیش نظر رہا۔ انقلاب سے پہلے فرانس میں پارلیمنٹری حکومت موجود تھی، لیکن شاہی حقوق و تسلط اور کلیسا کا عالمگیر استبداد اس درجہ تھا کہ دراصل ایک شخصی تخت شاہنشاہی حکومت مقیدہ کے نام سے حکمرانی کر رہا تھا۔

انقلاب کے بعد رجال انقلاب میں تفریق ہوگئی۔ ایک گروہ ملوکی مگر دستوری و مقید

حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ گروہ غالب یہی تھا اور اس کے سامنے انگلستان کے دستور کا نمونہ تھا۔ دوسرا گروہ خالص جمہوری حکومت کا نظام بنانا چاہتا تھا۔ یہ جماعت اگرچہ قلیل تھی مگر عوام اور کاشتکاروں پر اس کا اثر حاوی تھا، ۱۰ اگست ۱۷۹۲ء کو اس جماعت نے پیرس کے دیہاتیوں سے شورش کرا کے مجلس کو مجبور کیا کہ وہ ایک ایسے نئے دستور کا اعلان کر دے، جو بادشاہ کے وجود سے بالکل مستغنی ہو۔

اس غرض سے ایک نئی مجلس کا انتخاب ہوا۔ منتخبہ مجلس نے ایک سب کمیٹی قائم کی جس کے اکثر اعضاء، مشہور انقلابی مصنف جان روسو Roussapu کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اسی اصل اصول کو تمام نظام وقوانین کا محور قرار دیا کہ " **السلطة للشعب وحده** "حکم و تسلط صرف قوم ہی کے لیے ہے اور ایک نیا نظام مرتب کیا جو ملکیت (شاہی شرکت) سے بالکل خالی تھا۔ یہ نظام تاریخ انقلاب میں "دستور ۱۷۹۳ء کے لقب سے مشہور ہے۔

لیکن دوسرے سال یہ دستور بھی قائم نہ رہا۔ یہ دور انقلاب درحقیقت انسانی جذبات کی شورش، اذہان کی طوائف الملوکی، اور طبیعت انسانی کے مطالبات مفرطہ کا ایک ہیجانی دور تھا۔ فرانسیسی قوم جومدت سے معطل تھی، سوچ سکتی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ لوگوں کی مثال بقول وکٹر ہیوگو (victorhugo) بالکل ان قیدیوں کی سی ہو گئی تھی جو مدت العمر قید خانے میں رہ کر آزاد ہوئے اور جیل کے احاطے سے نکل کر جب آسمان کی کھلی فضا کے نیچے پہنچیں تو حیران ہو کر رہ جائیں کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے؟

یہ حالت قدرتی ہے اور ہمیشہ ایک دور کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کا درمیانی حصہ دنیا نے ایسی ہی حالتوں میں کاٹا ہے۔ فرانس بھی اسی میں مبتلا تھا۔ دستور مرتب ہوتے

تھے اور پھر نئے دستور کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ حکومتیں تعمیر کی جاتی تھیں اور پھر ڈھائی جاتی تھیں۔ ۱۷۹۵ء میں نئے دستور کا اعلان ہوا اور ۱۷۹۹ء تک قائم رہا۔ اسی اثنا میں فرانس اور یورپ میں جنگ شروع ہو گئی جس کی بناء محرکہ دراصل فرانس کا انقلاب حکومت ہی تھا۔ اس بیرونی مصروفیت سے اندرونی نزاعات کی قوت معاً گھٹ گئی۔ یہاں تک کہ حالات نے ایک دوسرے انقلاب کا صفحہ الٹا اور ملوکیت جو فرانس سے چلی گئی تھی۔ پھر دوبارہ بلالی گئی۔

اب تک سررشتہ حکومت ڈائرکٹروں کی ایک جماعت کے ہاتھ میں تھا اور مختلف اداری وتشریعی اور نیابی وانتخابی مجالس قائم تھیں۔ اب انہوں نے دیکھا کہ زیادہ عرصے تک حکومت اپنے قبضے میں نہ رکھ سکیں گے۔ وضع ملکی کو کسی نہ کسی طرح جنگی مہلت سے فائدہ اٹھا کر بدل دینا چاہیے۔ اسی سیاست کا نتیجہ وہ انقلاب ثانی تھا جو ۱۸ نومبر ۱۷۹۹ء کو وقوع میں آیا اور مشہور فاتح یورپ (نپولین بونا پارٹ) کی اعانت سے پانچ سو نائبین ملک کی مجلس فوجی قوت سے توڑ دی گئی اور اسی طرح عہد (کرامویل) کی تاریخ انگلستان کا پھر اعادہ ہوا، جس نے شخصیت کو شکست دے کر پھر خود اپنی شخصیت سے ملکی جمہوریت کو شکست دی تھی۔

اب ایک نئی مجلس اس غرض سے منتخب کی گئی کہ نئے نظام دستور کو مرتب کرے چنانچہ آٹھویں سال انقلاب کا دستور شائع کیا گیا۔ یہ دستور فی الحقیقت (بونا پارٹ) کا گھڑا ہوا ایک کھلونا تھا، جو فرانس کو بہلائے رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ بظاہر ایک جمہوریت قائم کی گئی جس میں دستور جمہوری کے تمام اعضاء وجوارح موجود تھے۔ مگر دماغ کی جگہ ایک قنصل کا عہدہ قائم کیا گیا جو بیس برس کے لیے نامزد کیا جائے گا اور جو جمہوریت کی طرف سے فرانس پر حکومت کرے گا۔ تمام عمال کا تعین، تمام فوج کی قیادت، صلح وجنگ کا اختیار، تمام اداری وتنفیذی قویٰ کا سررشتہ آخری، اسکے سپرد کر دیا گیا۔ اس کی معاونت کے لیے دو

نائب بھی رکھے گئے مگر فی الحقیقت وہ اپنے تمام کاموں میں ایک خود مختار حکمراں اور شہنشاہ مطلق تھا۔

اس جمہوری شہنشاہی کے تخت پر (نپولین بونا پارٹ) متمکن ہوا۔

(۷)

یہ سب کچھ ہوا لیکن انقلاب فرانس اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ فرانس پر یہ دور بھی گذر گیا۔ اس کے بعد ملوکیت و مطلق العنانی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ تمام یورپ میں نظام مقیدہ کی حکومت داخل ہوئی۔ فرانس میں بھی انگریزی نظام دستور قائم کیا گیا۔ بااین ہمہ آخر میں فتح جمہوریت ہی کو ہوئی اور وہی انقلاب فرانس کا قائم کردہ اصل اصول بغیر کسی تغیر کے تمام قوانین کی بنیاد قرار پایا کہ "السلطة للشعب وحده"

یورپ کے دیگر حصص میں اگرچہ اس انقلاب کا اثر ملوکیت مقیدہ سے آگے نہ بڑھا مگر فی الحقیقت ہر دستور و نظام حکومت میں بصور مختلفہ یہی اصل الاصول کام کر رہا ہے۔

(تنبیہ)

اس مضمون میں جا بجا حکومت مقیدہ، ملوکیہ، دستوری وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ حکومت "مقیدہ" سے مقصود وہ نظام حکومت ہے جس میں گو بادشاہ کے حقوق و تسلط حکم کو برقرار رکھا گیا ہو، لیکن قانون و آئین کی پابندی کے ساتھ حکومت کی جائے۔ "ملکیۂ مقیدہ" سے بھی وہی مقصود ہے۔ "دستوری" سے مقصود پارلیمنٹری حکومت ہے۔ جس میں بادشاہ قانون و جماعت کے ماتحت ہو، اور یہ "نظام انگریزی" کے لقب سے مشہور ہے۔ صرف "ملکیہ" سے مراد حکم مطلق یا شخصی حکومت ہے۔

"جمہوری" نظام حکومت بادشاہ کے وجود سے بالکل خالی ہوتا ہے، حکومت صرف

ملک کی اکثریت کرتی ہے اور نظم اداری کے لئے ایک شخص باسم صدر منتخب کرلیا جاتا ہے یہی طرز حکومت آجکل امریکہ اور فرانس اور بعض چھوٹی چھوٹی جمہورتیوں کا ہے۔

آجکل کی اصطلاح کے مطابق اسلام ملکیت مقیدہ یا نظام دستوری انگلستان کے مطابق حکومت قرار نہیں دیتا جیسا کہ غلطی سے بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ اس کا نظام خالص جمہوری اور شائبہ تشخیص وملکیت سے کلیتاً پاک ہے۔ کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱)

''انقلاب فرانس''یورپ کی موجودہ جمہوریت کا سرچشمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ہم نے مختصر طور پر اس کے اعلانات واساسات کی تشریح کی تاکہ آیندہ مباحث کے سمجھنے میں آسانی ہو۔گذشتہ مضمون میں فرانس کا جو''منشور حریت''نقل کیا ہے اور جس میں مبادی حریت ومساوات بیان کئے گئے ہیں، اس سے اگر تشریحِ قوانین وتکرارِ مقاصد واعادۂ مطالب کو الگ کردیا جائے تو اصل اصول نظام جمہوریت کے وہی چند دفعات رہ جاتے ہیں جن کو اس مضمون کی اولیں قسط میں ہم نے بیان کیا تھا اور پھر ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے کہ مکرر دہرا چکے ہیں یعنی بصورت تقسیم مواد، منع حکم ذاتی، مساوات عمومی، انتخاب رئیس، اور اصول شوریٰ، یہی چار دفعات اصل اصول قرار دیئے جاسکتے ہیں۔اگر ان عناصر مرکبہ کی بھی تفرید کی جائے تو پھر صرف ایک ہی اصل الاصول آخر میں باقی رہ جائے گا یعنی''منع حکم مطلق وذاتی''یا''السلطتہ للشعب وحدہ''حق تسلط صرف قوم ہی کو حاصل ہے۔

احکام اسلامیہ ونظام خلافت راشدہ

انہی دفعات اربعہ نظام جمہوریت کو پیش نظر رکھ کر ہم نے احکام اسلامیہ واعمال مسلمین اولین کا تفحص کیا تھا، اور ایک ایک دفعہ پر ترتیب وار بحث کی تھی۔گو بحث اجمالی،

اور نظر سرسری تھی، تاہم حسب ذیل نتائج تک پہنچنے میں ضرور رہنما ہوئی ہوگی۔

(۱) اسلام ہر قسم کے ذاتی و شخصی تسلط کی نفی مطلق کرتا ہے۔اس نے روز اول ہی سے جو نظام حکومت قائم کیا، وہ خالص جمہوری اور شائبہ شخصیت سے پاک تھا۔تصریحات کلام اللہ اور سنت مسلمین اولین سے بغیر کسی توجیہ وتاویل کے ثابت ہوتا ہے کہ ''حکومت جمہور کی ملک ہے۔ذات اور خاندان کو اس میں دخل نہیں'' یہی اصول خلاصہ نظام جمہوریت حاضرہ ہے۔

(۲) نفی حکم ذاتی کا پہلا نتیجہ مساوات عمری افراد بشر ہے۔یعنی خاندانی، ملکی، قومی، اور مالی امتیازات کوئی شے نہیں۔اسلام نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا ''لیس لاحد علی احد فضل، الا بدین و تقویٰ'' یعنی کسی ایک انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی اِلّا اس کی دینی فضیلت اور حسن عمل۔

(۳) نظام جمہوریہ کا تیسرا رکن رئیس جمہوریہ، اور اس کا تقرر بذریعہ انتخاب ہے۔ رئیس جمہوریت کو اسلام خلیفہ کہتا ہے اور ''اجماع'' سے مقصود قوت اکثریت انتخاب ہے۔

(۴) اسی ضمن میں تکمیل جمہوریت صحیحہ کے لئے ضرور تھا کہ خود ''رئیس جمہور'' کو عام افراد ملک کے مقابلہ میں کوئی امتیاز خاص حاصل نہ ہو۔مساوات حقیقی کے یہ معنی ہیں، کہ جس شخص کو رئیس جمہوریت منتخب کیا گیا ہے، وہ اپنے تمام حقوق قانون و مال میں بھی مثل ایک عام باشندہ شہر کے نظر آئے۔پس اس حیثیت سے بھی تفصیلی نظر ڈالی گئی تو اسلام کا خلیفہ اس شان میں سامنے آیا کہ پھٹی ہوئی چادر اور دو وقت کی غذا کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ تھا!

(۲)

ان مباحث کے ضمن میں ہم پر اس سے بھی زیادہ خصائص الٰہیہ اسلامیہ کا انکشاف ہوا۔ ہم نے صرف یہی نہیں دیکھا کہ جو کچھ آج جمہوریت وحریت اور مساوات و آئین کے نام سے دکھلایا جا رہا ہے، وہ سب کچھ اسلام کے پاس موجود ہے۔ بلکہ یہ بھی نظر آیا کہ موجودہ عصر تمدن کے یہ تمام مناظر فخیمہ اب تک اس حقیقت عظمیٰ و اصلیت کبریٰ سے خالی ہیں، جن کو تیرہ سو برس پہلے وہ ظاہر کر چکا ہے۔

یورپ کی کامیاب جستجوئے مقصد اور انقلاب فرانس کی ناکامی

حریت صحیحہ اور اسلام کے تعلق پر بحث کرتے ہوئے دو پہلو پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک پہلو بحث کا یہ ہے کہ آج یورپ کے بازار حریت میں بہتر سے بہتر جو متاع دکھلائی جا سکتی ہے، وہ ہمارے امانت خانوں میں تیرہ سو برس سے موجود ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جہاں نظر آتا ہے کہ صرف وہ متاع ناقص ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اعلیٰ و اشرف اشیا ہمارے پاس موجود ہیں۔

ہم نے گذشتہ مباحث میں اس دوسرے حصہ بحث پر بھی کہیں کہیں نظر ڈالی ہے اور اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

ا۔ اسلام نے اپنے نظام حکومت سے بکلی پادشاہ کے وجود کو خارج کر دیا اور ایک کامل جمہوریت قائم کی جسمیں صرف ایک پریسیڈنٹ باسم خلیفہ رکھا گیا ہے۔ برخلاف اس کے یورپ میں جمہوریت کی تحریک اب تک پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔

اس کا بڑا حصہ اب تک تاج و تخت فرمانروائی کے آگے عاجزی کرنے پر مجبور ہے امریکہ اور فرانس، صرف یہی دو بڑی جمہوریتیں انقلاب فرانس کا کامیاب نتیجہ ہیں۔ ان

کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں ہیں مگر ان کا شمار بڑے ملکوں میں نہیں۔

۲۔ انقلاب کی اصلی روح مساوات ہے اور صرف شاہی اقتدار و تسلط کے روک دینے ہی سے جمہوریت صحیحہ قائم نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ نوع بشر میں مساوات حقیقی قائم نہ ہو۔ اس بنا پر گو فرانس کے انقلاب نے شاہی اقتدار کی مطلق العنانی سے دنیا کو نجات دلا دی، تاہم وہ "مساوات حقیقی" کے قیام میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مختلف درجات وطبقات امت کا اختلاف بدستور باقی ہے۔ دولت کے اقتدار کی لعنت سے اب تک اس کے پاؤں میں پڑی ہے۔

۳۔ یہ کیا ہے کہ اب تک جو پادشاہ ہے وہ ملکی خزانے سے کروڑوں روپیہ لیتا اور باوجود ایک عام باشندۂ شہر ہونے کے عام باشندوں سے ارفع واعلیٰ رہتا ہے؟

اب تک وہ عظمت وجبروت کے اس عرش مقدس پر متمکن ہے۔ جہاں تک زمین کے عام باشندوں کی رسائی نہیں؟

شاہ انگلستان ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہر سال تن تنہا اپنے اوپر صرف کرتا ہے اور جرمنی کا حکمران نوے لاکھ۔ پھر کیا با ایں ہمہ یورپ کو مساوات انسانی کے ادعاء کا حق حاصل ہے؟

اس کی آبادی اب تک ان امیروں کے ایوانوں سے رکی ہوئی ہے جو چاندی سونے کے گھمنڈ میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ مساوات کہاں ہے جس کے فرشتے نے تمام اکناف یورپ کو اپنے پروں میں چھپا لیا ہے؟

لیکن اسلام نے روز اول ہی مساوات کی حقیقی تصویر دنیا کو دکھلا دی۔ اس کا اولین قدوس پادشاہ جس طرح زندگی بسر کرتا تھا تم پڑھ چکے ہو۔ اس کے خلفاء نے صاف کہہ دیا

کہ "حلتان و قوتی اھلی" یعنی مجھ کو صرف دو جوڑے کپڑے کے اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی مایحتاج غذا چاہیے اور بس!

حضرت ختم المرسلین ﷺ نے قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت کی نسبت روسائے قریش سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کی اولین مجلس میں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سردار رومی کے آگے، مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے ایرانی سپہ سالار کے سامنے، اور واقعہ اجنادین میں رومی سپہ سالار کے آگے اس کے مخبر نے، جو تقریریں کی تھیں، ان کو تمام گذشتہ مضمون میں پڑھو اور پھر مساوات یورپ کا مساوات اسلامی سے مقابلہ کرو!

۳۔ لیکن مساوات کے بھی مختلف درجے اور اس کی مختلف قسمیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ انقلاب فرانس نے اپنے اعلان حریت میں تمام ابناءِ وطن کو مساوی قرار دیا لیکن کیا تمام ابناء آدم کو بھی درجہ وحقوق میں مساوی قرار دے سکا؟ وہ عدم مساوات جو ایک محدود رقبہ زمین میں ہو، زیادہ مستحق نفریں ہے، یا وہ جو تمام دنیا اور دنیا کی تمام قوموں میں پھیلا ہوا ہو؟ اگر تم ایک سرزمین کے رہنے والوں کو ایک درجے میں رکھنا چاہتے ہو تو یہ دنیا کے دکھ کا اصلی علاج تو نہ ہوا۔ دنیا اس مساوات کے لیے تشنہ ہے جو ابناء وطن کی طرح مختلف وطنوں اور قوموں کا امتیاز بھی مٹا دے اور اسود وابیض، مغرب ومشرق، متمدن وغیر متمدن، غرضیکہ بندوں کو ایک درجے میں لا کھڑا کر دے۔ تم ابھی ابھی انقلاب فرانس کی سرگزشت سے فارغ ہوئے ہو۔ تم نے وہ اعلان حریت پڑھا ہے جس کو تاریخ عظمت کے ساتھ اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہے، لیکن کیا اس میں اول سے لے کر آخر تک کسی جگہ بھی اس مساوات کا ذکر ہے جو کسی خاص سرزمین کو نہیں بلکہ تمام عالم کو اپنا پیغام نجات سناتا ہو؟ اس کی ہر دفعہ کو مکرر پڑھ لو۔ تم ہر جگہ "وطن" ہی کا نام پاؤ گے اور انقلاب فرانس کا بلند مساوات کا تخیل اس سے زیادہ نہ

ہوگا کہ ''فرانس'' کا ہر باشندہ ایک دوسرے کے برابر ہو جائے۔

لیکن خدا کی زمین جو صرف فرانس اور یورپ ہی کی اقوام سے آباد نہیں ہے، اپنے اس زخم کے لیے کہاں مرہم ڈھونڈھے، جس نے ایک قوم اور وطن کو دوسری قوم اور وطن پر فضیلت دے دی ہے؟

یورپ سے اس کو تسکین نہیں مل سکتی، لیکن اسلام کا ہاتھ اس کو مرہم بخش سکتا ہے۔ اس نے صرف اپنے وطن اور سرزمین ہی کو مساوات باہمی کا حقدار نہیں سمجھا، بلکہ اس کا اعلان ایک عالمگیر مساوات کا فرمان تھا۔ جبکہ اس نے کہا کہ:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ! (۴۹:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو مرد و عورت کے اتحاد سے پیدا کیا، تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن اختلاف قوم و نسل سے کوئی امتیاز و شرف حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ تم باہم ایک دوسرے سے شناخت کیے جاؤ ورنہ تم میں سب سے زیادہ اللہ کے آگے افضل وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور نیک اعمال ہے۔

تو اس کا اعلان مساوات صرف مکہ اور حجاز ہی کے لئے نہ تھا بلکہ تمام عالم کے لئے تھا۔

اسلام صرف وطن ہی کی محبت لیکر نہیں آیا۔ اسکے پاس تمام عالم کے عشق کا پیغام

ہے۔اس نے جو کچھ کیا تمام عالم کے لئے کیا، اور صرف وہی تھا جو کہ سکا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَـآفَّةً لِّلنَّـاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۲۸:۳۴) دنیا کا خدا ''رب العالمین'' تھا، جس کی ربوبیت عامہ میں کوئی خصوصیت وطن ومقام نہیں۔پس اس کا پیغام امن ونجات بھی ''رحمتہ للعالمین'' ہو کر آیا کہ: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۷:۲۱)

۴۔اگر یورپ مساوات انسانی کے اصلی راز کو پالیتا تو اشتراکیہ (سوشیالیزم) کی بنیاد نہ پڑتی۔امرا کے اقتدار، دولت کی ظالمانہ تقسیم، طبقات عامہ کی تذلیل وتحقیر، اربابِ اقتدار کا استبداد، جماعت وافراد کا قانونی امتیاز، یہ اسی طرح کے اسباب ہیں۔جن کی وجہ سے اشتراکیہ کی بنیاد پڑی اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔یورپ کے ادعاء مساوات کی سماعت کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اشتراکیہ کی شہادت سے کان بند کر لیں۔ابھی لوگوں نے دو سال پیشتر کا وہ موقعہ بھلایا نہ ہوگا جب مسٹر لائڈ جارج نے امراء انگلستان کے ٹیکس سے بری ہونے کے خلاف سعی کی تھی اور اس کی وجہ سے طبقہ خواص میں ایک سخت جوش پھیل گیا تھا۔

رجوع بہ مباحث بقیہ

پس ان مباحث کے بعد اب ہمارے لیے صرف دو منزلیں اور باقی رہ گئی ہیں:۔

۱۔حکم ''مشورہ'' اور ''اصول شوراء اسلامیہ'' اس کے ضمن میں ان آیات کریمہ پر ایک مفسرانہ نظر ڈالنی چاہیے جن میں حکم شوریٰ دیا گیا ہے۔

۲۔بعض شکوک واعتراضات کی تحقیق جو اس بارہ میں پیدا ہوتے ہیں از انجملہ وہ شبہات جو انقلاب عثمانی کے زمانہ میں بعض جرائد ومجلّات میں شائع ہوئے تھے اور حال میں ایک تحریک کے ذریعہ ان کا اعادہ بھی کیا گیا ہے۔یہ تحریر روزانہ پیسہ اخبار لاہور میں

شائع ہوئی ہے۔ آئندہ مضمون میں ہم ان دونوں بحثوں کی طرف متوجہ ہونگے، واللہ الهادی، و علیه اعتمادی۔

حریت اور حیات اسلامی

قرآن حکیم کی تصریحات

یَآیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (نساء۴:۱۳۵)	مسلمانو! تم انصاف پر قائم اور (زمین میں) خدا کے گواہ رہو، گو یہ گواہی خود تمہارے اپنے نفس یا والدین یا عزیز و اقارب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اگر یہ سچ ہے کہ قومی زندگی کی جان اخلاق ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ اخلاق کی جان حریت رائے، استقلال فکر، اور آزادی قول ہے۔ لیکن اخلاق ملی کی یہ روح مہالک و خطرات کی موت سے گھری ہوئی ہے: حفت الجنة بالمکارہ۔ اس آب حیات کے حصول کے لیے زہر کا پیالہ بھی پینا پڑتا ہے: الموت جسر الی الحیاۃ!

قوم کے نظام اخلاق و نظام عمل کے لیے اس سے زیادہ کوئی خطرناک امر نہیں کہ موت کا خوف، شدائد کا ڈر، عزت کا پاس، تعلقات کے قیود، اور سب سے آخر قوت کا جلال و جبروت، افراد کے افکار و آراء کو مقید کر دے۔ ان کا آئینہ ظاہر، باطن کا عکس نہ ہو، ان کا قول ان کے اعتقاد قلب کا عنوان نہ ہو ان کی زبان ان کے دل کے سفیر نہ ہو۔ یہ وہی چیز ہے جس کو اسلام کی اصطلاح میں "نفاق" اور "کتمان حق" کہتے ہیں اور جس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض شے خدائے اسلام کی نظر میں کوئی نہیں۔ اسلام کی بے شمار خصوصیات میں

سے ایک خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ اس کی ہر تعلیم موضوع بحث کے تمام کناروں کو محیط ہوتی ہے۔ ہم نے تورات کے اسفار دیکھے ہیں، زبور کی دعائیں پڑھی ہیں، سلیمان (علیہ السلام) کے امثال نظر سے گذرے ہیں، یسوع کی تعلیمات اخلاقیہ کے وعظ سنے ہیں۔ ہم نے ان میں ہر جگہ خاکساری، انکساری، تحمل، حلم، درگذر، تسامح اور عفو و کرم کے ظاہر فریب اور سراب صفت مناظر کا تماشا دیکھا ہے۔ لیکن کیا ان میں ان اصول اخلاق کا بھی پتہ لگتا ہے جو قوموں میں خودداری، سربلندی اور حق گوئی کا جوہر پیدا کرتے ہیں؟ جن کی نظر میں بمقابلہ حق، آقا و غلام، بادشاہ و گدا، عالم و جاہل، قریب و بعید اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنا نفس اور غیر، سب برابر نظر آتا ہے؟ جن کی راست گوئی، حریت پسندی اور حق پرستی کی عروۃ الوثقیٰ کو نہ تو تلوار کاٹ سکتی ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ محبت و خوف کا دیو توڑ سکتا ہے؟

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا (بقرہ:۲۵۶)	کیونکہ اس نے وہ مضبوط قبضہ پکڑا ہے جس کے لیے کبھی ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔

اسلام ایک طرف مسلمانوں کی تعریف بتاتا یہ ہے کہ:۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری)	مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

دوسری طرف مسلمانوں کی حقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر خدا و شیطان، حق و باطل معروف و منکر اور خیر و شر کا مقابلہ ہو تو وہ رضائے خدا، نصرت حق، امر معروف اور دعوت خیر کے لیے:۔

لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (مائدہ)	آسمان کے نیچے کی کسی ہستی کی پروا نہیں کرتے

غربت سرائے دہر میں حق کا ٹھکانا صرف ایک مسلمان ہی کا سینہ ہونا چاہیے، لیکن کیا بدبختی ہے کہ آج ہمارے سینے باطل کا نشیمن، ہمارے دل نفاق کا مامن اور ہمارا باطن اخفائے حق کا ملجا بن گیا ہے، حالانکہ ہم وہی ہیں جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ:۔

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ (نساء:۱۳۵) — دنیا میں خدا کے گواہ رہیں ان کا قول و عمل ہمیشہ برابر ہو

لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفْعَلُونَ ؟ (صف:٦١) — ان کا دل اور زبان ہمیشہ ایک ہو۔ جن

تَخْشَى النَّاسَ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ (احزاب:۳۳) — کو خدا کے سوا کوئی ہستی مرعوب نہیں کر سکتی۔

تسامح اور قول حق

عفوو درگذر، عیب کو ڈھانکنا، خطاؤں سے چشم پوشی کرنا، بلاشبہ ایک بہترین وصف ہے، لیکن اگر کسی شہر کی پولیس ان مسامحانہ اخلاق پر عمل شروع کر دے یا بڑے بڑے مجرموں کی طاقت سے مرعوب ہو کر اپنے فرائض میں کوتاہی کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑے ہی دنوں میں نظام وامن درہم و برہم ہو جائے گا اور معمورۂ شہر مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔ ہر آزاد رائے اور حرالفکر انسان خدا کی آبادی کا کوتوال ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ہر غلط رَو کو روک دے ہر خطا کار کو ٹوک دے اور حمایت حق و نصرت خیر کے لیے ہمہ تن آمادہ رہے تا کہ حق باطل کے جور و ستم سے اور نور ظلمت کے حملہ سے محفوظ رہے، اور سوسائٹی کا شیرازۂ نظام منتشر نہ ہو پائے۔

شریعت اسلامیہ نے اسی خاص فرض کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا ہے، اور ملت اسلامیہ کا خاص وصف یہ بیان کیا ہے کہ:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳:۱۱۰)

تم بہترین قوم ہو جو دنیا میں لوگوں کے لیے نمونہ بنائی گئی اچھی باتوں کی ہدایت کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: (۳:۱۰۴)

تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دے، اچھی باتوں کی ہدایت کرے، بری باتوں سے روکے اور یہی گروہ کامیاب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

غلط ہے جو سمجھتے ہیں کہ صداقت اور حق گوئی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت الی الخیر اور منع عن الشر کے سلسلہ میں اگر دوسروں کے حرکات وافعال کا نقد کیا جائے تو وہ اس تجسس احوال غیر کا ملزم ہوگا۔ جس کو قرآن نے منع کیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ . وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (۴۹:۱۲)

مسلمانو! بہت بدگمانیاں کرنے سے اجتناب کیا کرو دوسروں کے حالات کی جاسوسی نہ کیا کرو، ایک دوسرے کے پیچھے میں بدگوئی نہ کرو! کیا تم پسند کرتے ہو کہ کسی بھائی کی لاش پڑی ہو اور تم اس کا گوشت نوچ نوچ کھاؤ؟ کیا تم کو گھن نہ آئے گی؟ خدا کا خوف کرو کہ خدا توبہ قبول کرنے والا اور رحمت والا ہے۔

لیکن اس سے مراد وہ شخصی حالات ہیں جو امور دین اور مصالح ملت میں مؤثر نہ ہوں ورنہ فریضۂ امر معروف اور نہی منکر کے لیے کیا چیز باقی رہ جائے گی؟ اور معاشرت کی اصلاح، معائب کے ازالہ اور منکرات کے ابطال کے لیے کون سا ہتھیار ہمارے پاس ہو گا؟ اگر ہمارے عظمائے محدثین حدیث میں رواۃ کے معائب و اخلاق کی تنقید نہ کرتے اور حق کے مقابلہ میں بڑے بڑے ارباب عمائم اور جبابرۂ حکومت کے زور و قوت سے مرعوب ہو جاتے تو کیا آج ہمارے پاس اقوال حقہ کے بجائے صرف روایاتِ کاذبہ کا ایک ڈھیر نہ ہوتا؟

اس سلسلہ میں ہم کو یہ بھی بالا علان کہنا چاہیے کہ سب سے پہلی ہستی جس سے سب سے پہلے محاسبہ کرنا چاہیے، جس کے افعال کی سب سے پہلے تنقید کرنی چاہیے، جس کے معائب کی سب سے پہلے مذمت کرنی چاہیے، وہ خود اپنی ہستی ہے، بہادر وہ نہیں ہے جو میدان قتال میں دشمن سے انتقام لے۔ جب تم کسی دوسرے کی اخلاقی صورت کی ہجو کر رہے ہو تو ذرا اپنے دل کے آئینہ میں بھی دیکھ لو کہ خود تمہاری صورت تو ویسی نظر نہیں آتی؟ جب حق کے اظہار کے لیے تمہاری زبان دلائل کا انبار لگا رہی ہو تو جھانک کر دیکھ لو کہ کہیں تمہارے خرمن دل میں تو یہ جنس موجود نہیں ہے؟ کیونکہ

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۱)	خدا کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ جو تمہارا قول ہو وہ فعل نہ ہو۔
اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (بقرہ:٦٦)	تم دوسروں کو تو نیکی کی بات بتاتے ہو لیکن خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟

اس لیے مسلمان کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ وہ زبان سے جس کا اقرار کرتا ہو دل سے اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو، ورنہ وہ منافق ہے جو:۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِم (۳:۱۶۸)	منہ سے وہ بات کہتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔

حریت رائے اور قول حق کی تعریف

حریت رائے اور قول حق کیا شے ہے؟ اس کا جواب آیات سابقہ نے بتایا ہے یعنی جو بات حقیقتاً صحیح ہو۔ دل سے اس کا اعتقاد، زبان سے اس کا اقرار، اور ہاتھ سے اس پر عمل۔ اگر غلطی سے حق کی ماہیت اس سے مخفی ہو تو جب اس کا علم ہو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلے۔ غیر اگر اس حق کا معارض اور اس صداقت کا دشمن ہو تو اس کی عظمت و جبروت سے اس کے ہاتھ میں رعشہ، اس کے پاؤں میں لغزش، اس کی زبان میں لکنت، اور اس کے قلب میں خوف نہ ہو۔ سوسائٹی کی شرم اور اقارب واحباب کی محبت اس کی زبان حق گو اور اس کے دست صداقت شعار کو بیکار نہ کردے۔ دولت و مال کی حرص اور عزت و جاہ کی طلب اس کے جادۂ حریت پرستی اور راہ صداقت پسندی میں سنگ گراں بن کر حائل نہ ہو۔ اغراض ذاتی اور ہوائے نفسانی کے سحر سے مسحور نہ ہو۔ رضائے خدا اور طلب حق کے سوا اس کا کوئی مطلوب نہ ہو کہ مذہب حق پرستی میں یہی شرک ہے: وان الشرک لظلم عظیم

ہر مسلمان کو فطرتاً آزاد گو اور حق پرست ہونا چاہیے

ہر مسلم موحد ہے اور ہر موحد آستانہ احدیت کے سوا تمام آستانوں سے بے نیاز اور واحد القہار کے سوا ہر ہستی سے بے خوف ہے، اس لئے وہ فطرتاً اپنے کسی قول و فعل میں آزادی و حق گوئی سے نہیں ڈرتا۔ صحابہ کرام کو دیکھو کہ یہ خاک نشیں قیصر و کسریٰ کے دربار میں بے دھڑک جاتے ہیں، اور قاقم و حریر کی مسندوں کو الٹ کر زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ فرش

دربار جوروم وایران کا سجدہ گاہ تھا، برچھی کی انی اور گھوڑوں کے سموں سے ان کے جبروت واستبداد کے پرزے اڑا دیئے گئے۔ جن درباروں میں زبان کی حرکت بھی سوء ادب تھی، وہاں حمایت حق کے لئے ٹوٹے ہوئے قبضے اور چیتھڑوں سے بندھی ہوئی تلوار جنبش میں آ جاتی ہے! اور پھر کیوں ایسا نہ ہو جبکہ ایک موحد کا اعتقاد یہ ہے کہ "لا نافع ولا ضار الا اللہ" خدا کے سوا نفع وضرر کسی کے ہاتھ میں نہیں۔

ہر مسلم خدا کا گواہ صادق ہے

ہر مسلم خدا کی طرف سے دنیا میں ایک گواہ صادق اور شاہد حال ہے کہ:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُم اُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُوْنُوا شُهَدَاءِ عَلَى النَّاسِ (۱۴۳:۲)	خدا نے تم کو ایک شریف قوم بنایا ہے تاکہ لوگوں پر گواہ رہو۔

کیا اس سے زیادہ کوئی بدبخت ہو سکتا ہے، جس کو خدا نے محکمہ عالم میں اپنی طرف سے گواہ بنا کر بھیجا ہو اور وہ اس حق کی گواہی سے خاموش رہے یا اس کے اخفا کی کوشش کرے؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ (۲:۱۴۰)	اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، جس کے پاس خدا کی کوئی گواہی ہو اور وہ اس کو چھپائے؟

کیونکہ مسلم کے خدا کا حکم ہے کہ:۔

لَاتَكْتُمُوْ الشَّهَادَةَ (۲۸۳:۲)	شہادت ربانی کا اخفا نہ کرو

ادائے شہادت ربانی اور حریت رائے ایک شے ہے

پس جو شخص شہادت ربانی کا اخفا نہیں کرتا، اور خدا کی طرف سے جو علم اس کے قلب میں القا کیا گیا ہے وہ علی الاعلان اور بلا خوف لومتہ لائم اس کا اظہار کرتا ہے، وہی ہے جس کو دنیا صادق اللہجہ، مستقل الفکر، حرالضمیر، اور آزاد گو کہتی ہے۔ پھر کیا جو شخص حرالضمیر اور آزاد گو نہیں، وہ، وہ نہیں جو شہادت کو چھپاتا ہے اور حق کی گواہی سے اعراض کرتا ہے؟ حالانکہ وہ وجود اقدس جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، بتصریح فرماتا ہے:۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۱۳۵:۴)

مسلمانو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو اور خدا کی طرف سے حق کے شاہد رہو، گو یہ شہادت خود تمھاری ذات کے یا تمھارے اعزہ و اقارب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور وہ خواہ دولت مند ہوں یا فقیر، ادائے شہادت میں ان کی پروا نہ کرو کہ خدا دونوں کو بس کرتا ہے، اور نہ متبع ہوئی ہو کر حق سے انحراف کرو۔ اگر تم بالکل انحراف کرو گے یا دبی زبان سے شہادت دو گے تو جان لو کہ خدا سے کوئی امر مخفی نہیں، وہ تمہارے ہر عمل سے واقف ہے۔

اللہ اکبر! آج مسلمان خدا کے اتنے بڑے فرض کو بھولے ہوئے ہیں! وہ مسلمان جن کو صرف ایک سے ڈرنا تھا، اب ہر ایک سے ڈرنے لگے ہیں۔ وہ اظہار حق میں دولتمند سے ڈرتے ہیں کہ شاید اس کی جیب کرم بار کی چند چھینٹیں ہمارے دامن مقصود میں کبھی پڑ جائیں! اے دولت کے دیوتاؤں سے ڈرنے والو! کیا تم تک رزاق عالم کا یہ فرمان نہیں پہنچا کہ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاكُمْ (الانعام) ''ہم ہیں جو ان کو اور تم کو، دونوں کو رزق پہنچاتے ہیں''؟ وہ حمایت حق کے لئے کمزوروں کا ساتھ نہیں دیتے۔ لیکن اے کمزوروں کی مدد نہ کرنے والو! جانتے ہو کہ کمزوروں کا سب سے بڑا مددگار کیا کہتا ہے؟

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ! (۲۸:۵)

ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں جو دنیا میں کمزور سمجھے گئے اور انہیں کو اب دنیا کا پیش رو اور زمین کا وارث بنائیں گے۔

وہ حکومت کی تلوار سے ڈرتے ہیں۔ مگر اے حکومت کی تلوار سے ڈرنے والو!

کیا تم نے نہیں سنا کہ حق پرستان مصر نے فرعون کو کیا کہا تھا؟

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۲۰:۷۲)

تو جو کر سکتا ہے وہ کر گذر اور تو بجز اس کے کہ ہماری اس ذلیل دنیوی زندگی کو ختم کردے اور کر ہی کیا سکتا ہے؟

ہمارا دل کیوں آزاد نہیں؟ ہم حق کے کیوں حامی نہیں؟ ہم استقلال فکر کے کیوں طالب نہیں؟ تقلید اشخاص کی زنجیروں کو کیوں ہم اپنے پاؤں کا زیور سمجھتے ہیں؟ ہم طوق غلامی کو تمغائے شرف کیوں جان رہے ہیں؟ اس لئے کہ حسن اعتقاد کو ہم نے معصومیت کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا ہے، حالانکہ ایک ہی ہے (یعنی خدا) جس کی ذات ہر نقص سے پاک اور ہر خطا سے مبرا ہے، اور ایک ہی جماعت ہے (یعنی انبیا) جو گناہوں سے معصوم بنائی گئی ہے۔ اور پھر اس لئے کہ غیر کی محبت نے ہمارے احساس حق کو مسلوب کر لیا ہے۔ حالانکہ وہ جو سراپا محبت ہے، اس کی رضا جوئی میں ہر محبتِ غیر ہم رتبۂ عداوت ہے اور اس لیے کہ ہم دنیا کے ذرہ ذرہ سے خوف کرتے ہیں حالانکہ ایک ہی ہے جس کا آسمان و زمین میں خوف ہے۔ یعنی وہ، جو دنیا کے ذرہ ذرہ پر قابض ہے اور اس لیے کہ انسانوں سے ہم کو طمع خیر ہے، حالانکہ خیر کی کنجیاں صرف ایک ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

ہم کو اکثر عداوت اور ضد بھی حق بینی سے محروم کر دیتی ہے۔ حالانکہ مسلم کا دل حق

پرست اپنے نفس سے بھی انتقام لیتا ہے اور حق کے لیے دشمن کا بھی ساتھ دیتا ہے۔

موانع حق گوئی

ہم نے بتایا کہ وہ کیا چیزیں ہیں جو ہماری زبان کو حق گوئی سے ہمارے پاؤں کو حق طلبی سے باز رکھتی ہیں؟ ناجائز حسنِ اعتقاد، محبت باطل، خوف، طمع اور عداوت۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات میں نہایت شدت کے ساتھ ان موانع حریت اور عوائق حق کو بیان کیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ کیونکر ہم ان سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟

ناجائز حسن اعتقاد

حسن اعتقاد کوئی بری شے نہیں، لیکن انبیا علیہم السلام کے سوا جو سفیرِ اوامرِ ربانی ہیں کسی انسان کو اتنا رتبہ دینا کہ اس کا ہر قول و فعل آئین تسلیم اور معیار صحت ہو، درحقیقت شرک فی النبوۃ ہے، اعیان کرام کی عزت انسان کا ایک جوہر ہے، لیکن یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے قلوب پر اس حیثیت سے حکمرانی کریں کہ وہ انسان کی ایک ایسی نوع ہیں جن کے احکام دائرہ انتقاد سے خارج اور ضعف بشری سے مبرا ہیں۔ اور اگر یہ سچ ہے تو پھر اس احکم الحاکمین کے لیے کیا رہ گیا، جس کا اعلان ہے کہ ان الحکم الا للہ (۸:۶) حکومت صرف خدا ہی کی ہے؟

کیا خدا نے ان نصاریٰ کو جو پوپ اور قسیسین کے احکام کو بلا حجت تسلیم کرتے تھے اور ان کے اقوال و اعمال کو بری عن الخطا اور خارج از نقد سمجھتے تھے، یہ نہیں کہا:۔

اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَ هُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ:۳۱)	نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور زاہدوں کو خدا بنالیا ہے۔

اور کیا قرآن نے ان کو دعوت توحید اس طرح نہیں دی؟

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ(۳:۶۴)	اے آسمانی کتاب والو! آؤ ایک امر جو ہم میں تم میں اصولاً متفق علیہ ہے، اس پر عمل کریں کہ ہم صرف خدا ہی کو پوجیں، اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو خدا بنائیں۔

ایک دوسرے کو خدا بنانا کیا ہے؟ یہ ہے کہ ہم اپنے قوائے فکر کو معطل کر دیں اور حق و باطل کا معیار صرف اشخاص معتقد فیہ کے غیر ربانی و غیر معصوم حکموں کو قرار دیدیں۔ ہماری پچھلی چند صدیوں کا زمانہ ایک بہترین مثال ہے، جب ہم پُر رعب ناموں سے مرعوب ہو جاتے تھے اور جب ہم حق و باطل کا معیار افراد کی شخصیت کو قرار دیتے تھے، تمام امور سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ ہمارے علوم و فنون کو اس سے کتنا نقصان پہنچا؟ ہر علم و فن میں ہمارا وجود، وجود معطل رہ گیا۔ زبانیں تھیں لیکن بولتے نہ تھے، دل تھے مگر سمجھتے نہ تھے۔ قید تحریر میں جو چیز آ گئی وہ تنسیخ کے لائق نہ تھی ہر کتابی مخلوق جو کسی خالق کن کی طرف منسوب تھی، صداقت و معصومیت کا پیکر تھی، ہر سابق العہد وجود انسانی، بعد کے آنے والوں کی عقول و آرا پر حکومت کرتا تھا، الغرض ہر سابق ہستی کا حکم اس قدیم ہستی کے حکم کی طرح تسلیم کیا جاتا تھا، جس کی شان یہ ہے کہ:۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ(۴۱:۴۲)	باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے آ سکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا ہر علم و فن دست شل ہو کر رہ گیا۔ پہلوں نے جو کچھ لکھا بعد والے اس پر ایک حرف نہ بڑھا سکے۔ پھر کیا اگر ایک فقیہ تاتارخانیہ کو، ایک طبیب سدیدی و

قانون کو، ایک نحوی کافیہ و مفصل کو، ایک متکلم مواقف و مقاصد کو، ایسی کتاب فرض کرتا ہے کہ باطل جس کے آگے ہے نہ پیچھے۔ نہ داھنے نہ بائیں تو کیا یہ شرک فی القرآن نہیں اور ہم نے ان کے مصنفین کو ایسی ہستی نہیں تسلیم کرلیا، جن کو قرآن پاک نے اربابا من دون اللہ (۳:۶۴) کہا ہے؟

ہماری گذشتہ چہل سالہ عمر جو ہماری قومیت کا دور طفولیت تھی، بدترین زمانہ استبداد اور بدترین مثال حسن اعتقاد تھی۔ ہم تیز زبان کو مصلح اکبر اور تیز رو کو رہبر سمجھتے تھے اور اس کے ہر حکم و فرمان کو اسی خشوع و خضوع کے ساتھ تسلیم کرتے تھے، جس خشوع و خضوع کے ساتھ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے احبار اور پوپ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ پس اب وقت آ گیا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو یہ دعوت الٰہی دیں:۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳:۶۴)

اے کتاب والو! آ ؤ ایک امر جو ہم میں اور تم میں متفق علیہ ہے، اس پر عمل کریں، اور وہ یہ ہے کہ غیر خدا کی پرستش نہ کریں اور نہ اس کے حکم میں کسی کو شریک بنائیں اور نہ خدائے حقیقی کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو خدا بنائیں۔

محبت باطل

دنیا میں محبت باطل سے بڑھ کر پائے حق کوش کے لیے کوئی سخت زنجیر نہیں کہ "حبک الشئ یعمی ویصم" (حدیث صحیح) محبت باطل قبول حق سے آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا کردیتی ہے۔ ہم اپنے نفس کو محبوب رکھتے ہیں اس لیے ہم اپنے نفس

کے مقابلہ میں شہادت حق سے عاجز ہیں۔ ہم عزیز و اقارب سے محبت باطل رکھتے ہیں اس لیے ہم ان کے خلاف حق کے لیے گواہی دینے پر آمادہ نہیں ہوتے حالانکہ اس شاہد حقیقی کا فرمان ہے:۔

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (۱۵۲:۶)

جب بولو انصاف کی بات بولو اگرچہ تمہارے کسی عزیز کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (۱۳۵:۴)

مسلمانو! اپنے نفس کے مقابلہ میں اپنے ماں باپ کے مقابلہ میں اور اپنے اعزہ و اقارب کے مقابلہ میں بھی انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو اور خدا کے گواہ بنے رہو۔

اس لیے سرگروہ احرار اور سرخیل قائلین حق وہ ہے جو اس راہ میں اثر محبت سے مسحور نہیں، جو ان علائق ظاہری سے آزاد ہے، جو اپنے نفس سے بھی حق کے لیے اسی طرح انتقام لیتا ہے جس طرح اپنے دشمن سے۔ جو اپنا سر حق کے سامنے اسی طرح جھکا دیتا ہے، جس طرح وہ غیر کا سر جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ کتنے انسان ہیں جو جادۂ حق گوئی میں خطرات و شدائد سے نہیں ڈرتے؟ اور کتنے ہیں جو آزادی حق کے لیے اپنی جان فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن اس آیت پاک نے صدق پسندی اور حریت پرستی کی جو راہ قرار دیدی ہے اس پر چلتے ہوئے اکثر پاؤں کانپ گئے ہیں اور اکثر دل بیٹھ گئے ہیں، فان ذلک هو البلاء المبین، کیونکہ یہ سب سے بڑی آزمائش ہے جو اس آزمائش میں پورا اترے اور اس امتحان میں کامیاب ہو وہی میدان حریت کا شہسوار اور معرکہ حق صداقت کا فاتح ہے:۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ (۲۳:۳۳) — یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے جو عہد کیا تھا اس پر پورے اترے۔

خوف

ہم غیر سے ڈرتے ہیں اور ڈر کر حق کی گواہی سے باز آ جاتے ہیں، حالانکہ ایک ہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے کیا ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ دنیا کی ہر چیز جس سے ہم ڈرتے ہیں خدا کی مخلوق ہے؟ دلوں کی عنان حکومت صرف ایک کے ہاتھ میں ہے و هوا لقاهر فوق عباده اور وہ جدھر چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے یقلب کیف یشاء ۔ پھر کیوں ہمارے دل اپنے ہی جیسی بے بس اور بے اختیار مخلوق سے ڈر جاتے ہیں؟ ہم مصائب سے ڈرتے ہیں لیکن کیا ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (۶۴:۱۱) ہر مصیبت خدا ہی کے حکم سے آتی ہے؟ ہم موت سے ڈرتے ہیں پھر کیا ہمارا یہ ایمان نہیں کہ:۔

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ وَلَا يَسْتَاخِرُوْنَ (۱۰:۴۹) — جب موت آتی ہے تو نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے۔

اور جو راہ صداقت پرستی میں مر جاتے ہیں۔ وہ مرتے کب ہیں؟ وہ تو فانی زندگی چھوڑ کر دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ کیا تم اس کو مرنا کہتے ہو؟ نہیں:۔

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ (۲:۱۵۴) — شہدائے راہ خدا کو مردہ نہ کہو، وہ تو زندہ ہیں۔

وہ دنیا میں بھی زندہ ہیں۔ قوم ان کے نام کا ادب کرتی ہے، دنیا زبان احترام سے ان کا نام لیتی ہے، تاریخ ان کے نام کو بقائے دوام بخشتی ہے۔ وہ نہ صرف خود ہی زندہ ہیں بلکہ ان کا مسیحانہ کارنامہ دوسروں کو بھی زندہ کرتا ہے (باذن اللہ) قوم ان کے مرنے سے

جیتی ہے، ملک ان کی موت سے زندگی حاصل کرتا ہے کیونکہ:۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (٦:٩٥)	خدا مردہ شے سے زندہ شے اور زندہ شے سے مردہ شے کو پیدا کرتا ہے۔
وَتَخْشَى النَّاسَ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ (٣٣:٣٧)	(پھر) کیا انسانوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ سب سے زیادہ خدا کو اس کا حق حاصل ہے کہ اس سے تم ڈرو!
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا (٢٠:١١٢)	اور جو نیکوکار اور باایمان ہے اس کو کسی ظلم و ناانصافی سے ڈرنا نہ چاہیے۔

طمع

سالک راہ حریت و صداقت کے پاؤں میں اس کے دشمن لوہے کی زنجیریں ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ آئندہ کے منازل طے نہ کر سکے، لیکن اکثر ایسا یہ زنجیر لوہے کی جگہ سونے کی بھی ہوتی ہے۔ وہ اس طلسمی زنجیر کو دیکھ کر راہ و رسم منزل صداقت پرستی سے بے خبر ہو جاتا ہے، اس کے لیے دوڑ جاتا ہے اور مسکراتا ہوا خود دشمن کے ہاتھ سے لے کر اپنے پاؤں میں ڈال لیتا ہے۔ یہ طلسمی زنجیر کیا ہے؟ امید زر اور طمع جاہ!

لیکن آہ! کس قدر دنی الوجود اور کم ظرف ہے وہ انسان، جو صرف حب مال اور الفت زر کے لیے خدا کی محبت کو ٹھکرا دیتا ہے، اور ایک فانی شے کے لیے حق و صداقت کی باقی اور لازوال دولت کو ہمیشہ کے لیے کھو دیتا ہے! وہ چاندی سونے کے سکوں کو اگر خدا کے لیے اور اس کی سچائی کے لیے کھو دے تو خدا اسے سچائی کے ساتھ واپس دلا سکتا ہے، پر جس

خدا کی محبت کو دولت کے لیے کھوتا ہے، وہ تو اسے دولت نہیں دلا سکتی؟ پھر انسانیت کے لیے کیسی دردانگیز موت ہے کہ انسان آسمان کی سب سے بڑی عزت کو زمین کی سب سے حقیر شے کے لیے کھو دے؟

وہ دولت اور دولت کے کرشمے جس سے طمع کی لعنت اور لالچ کی پھٹکار نکلتی ہے، کیا ہے؟ کیا انسان کی عمر بڑھا دینے والی اور عیش حیات کو موت کے ڈر سے بے پروا کر دینے والی ہے؟ کیا وہ زندگی کی تمام مصیبتوں کا علاج اور انسان کی تمام راحت جوئیوں کا وسیلہ ہے؟ نہیں! ان میں سے کوئی بات بھی اس میں نہیں ہے۔ چاندی اور سونے کے محل سراؤں میں رہنے والے اسی طرح موت کے پنجہ میں گرفتار، مصائب حیات کے ہجوم سے محصور، تکلیف اور دکھ کے حملوں سے زخمی اور تڑپ اور بے چینی کی چیخوں سے المناک دیکھے جاتے ہیں، جیسا کہ ایک فقیر و مفلس فاقہ مست، یا ایک پتوں کے جھونپڑے میں بیماری کے دن کاٹنے والا محتاج و بیکس مسکین!

پھر کیا ہے جس کے لیے حق کی عزت کو برباد، اور خدا کی صداقت کو ذلیل کیا جاتا ہے؟ وہ کونسی ایسی طاقت ہے جو خدا کو چھوڑ کر ہم حاصل کر لیں گے؟ روپیہ نہ تو ہمیں زمین کی رسوائی سے بچا سکتا ہے اور نہ آسمان کی لعنت سے، مگر حب زر سے فرض صداقت کی خیانت ہمیں دونوں جہان میں عذاب دے سکتی ہے۔

کتنے بڑے بڑے تاجدار، پرہیبت فاتح، عظیم الشان سپہ سالار، نامور محب وطن اور محبوب القلوب وملت پرست انسان ہیں، جن کے حق پرستانہ عزائم کی استقامت کو اسی لعنت طمع نے ڈگمگا دیا۔ انہوں نے اپنے ملک، اپنی قوم اپنی فوج اور دراصل اپنے خدا اور اس کی صداقت سے غداری کی، دشمنوں کے لیے دوستوں کو، غیروں کے لیے اپنوں کو ظالموں

کے لیے مظلوموں کو، بے رحم فاتحوں کے لیے بیکس مفتوحوں کو اور شیطان کے تخت کی زیب و زینت کے لیے خدائے رحمان کے دربار اجلال کی عزت و عظمت کو چھوڑ دیا! تاریخ کے صفحات ہمیشہ سے اسی درد کے ماتمی ہیں۔ قوموں اور ملکوں کی داستانیں ہمیشہ ناپاک سرگزشت پر خون کے آنسو بہاتی ہیں اور دولت پرستی کی ملعون نسل آغاز عالم سے ناصیۂ انسانیت کے لیے سب سے بڑا بے عزتی کا داغ رہی ہے۔

فی الحقیقت راہ حق پرستی کی سب سے بڑی آزمائش چاندی کی چمک اور سونے کی سرخی ہی میں ہے، اور اگر اس منزلِ پرخطر سے تم گذر گئے تو پھر تمہاری ہمت بے پروا اور تمہارا عزم ہمیشہ کے لیے بے خوف ہے۔ یہی طمع کا خبیث دیو ہے جس کا پنجہ بڑا ہی زبردست اور جس کی پکڑ قلب انسانی کے لیے بڑی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ اسی نے فرزندان ملت سے غیروں کے آگے مخبری کرائی ہے۔ یہی پکڑ پکڑ کے ابنائے وطن کو لے گیا ہے اور غیروں کے قدموں پر اخلاق کی ناپاکی اور جذبات کی کثافت کے کیچڑ میں گرا دیا ہے، تاکہ اپنے وطن، اپنی سرزمین، اپنے مذہب، اپنی قوم اور اپنے بھائیوں کے خلاف جاسوسی کریں! اسی نے بڑے بڑے مدعیانِ خدمتِ ملک و ملت کی برسوں کی کمائی ایک آن کے اندر ضائع کر دی ہے اور انہیں چارپایوں کی طرح گرا دیا ہے تاکہ برسوں کی سچائی کو ایک لمحہ کی طمع پر قربان کر دیں۔ آہ! یہی انسانیت کے لیے وہ روح خبیث ہے جو بڑے بڑے پاک جسموں، بڑی بڑی مقدس صورتوں، بڑے بڑے پُر از علم و عمل دلوں کے اندر حلول کر گئی ہے اور فرشتہ سیرتوں نے شیطانوں کے اور ملکوتی صفات ہستیوں نے خوں خوار عفریتوں کے سے کام کیے ہیں!

وہ مقدس عالم جو کتب فقہ کو حیلہ تراشیوں کے لیے الٹتا ہے وہ مفتی شریعت جو جرائم

ومعاصی کو جائز بنا دینے کے لیے ابلیسانہ فکر وغور کے ساتھ نئی نئی پُر فریب تاویلیں سوچتا ہے، وہ واعظ جو سامعین کے آگے ان تعلیمات کے پیش کرنے سے گریز کرتا ہے جو ان کے اعمال سیئہ کے مخالف ہیں، وہ صاحب قلم جو اپنی حق پرستانہ سختی کو نفاق آمیز نرمی سے اور حریت خواہانہ جہادِ حق کو زمزمہ صلح باطل سے بدل دیتا ہے، آخر کس سحر وافسوں سے مسحور اور کس دام سخت کا شکار ہے؟ کونسا جادو ہے جو اس پر چل گیا ہے، اور خدا سے روٹھ کر شیطان کے تخت کے آگے سجدہ کرنا چاہتا ہے؟ کونسی قوت ہے جس کے آگے شریعت کے احکام، ضمیر کا فتویٰ اور حق کا الہام بیکار ہو گیا ہے؟

آہ! کوئی نہیں مگر طمع کا افسون باطل اور کچھ نہیں مگر زر پرستی، حب مال، جاہ طلبی کا عمل السحر: أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ!

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ج يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا! (۱۸:۱۷)

جو دنیا کے خیر عاجل کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں مگر آخر کار اس کے لیے جہنم ہی ہے جس میں وہ حقیر و ذلیل ہو کر رہے گا۔

عداوت

لیکن یاد رہے کہ جس طرح محبت آنکھوں کو بصارت حق سے اندھا اور شنوائی صداقت سے بہرا کر دیتی ہے بالکل اسی طرح عداوت بھی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا بنا دیتی ہے۔ صداقت کی روشنی نظر آتی ہے لیکن وہ نہیں دیکھتا، حق کی آوازیں بلند ہوتی ہیں لیکن وہ نہیں سنتا، کیونکہ عداوت نہیں چاہتی کہ انسان غیر کی صداقت وحقیقت کا اعتراف کرے۔ سفر حریت کی ایک پر خطر اور دشوار گذار منزل یہ بھی ہے جس کو صرف وہی قطع کر

سکتا ہے جو اس میدان کا مرد اور اس معرکہ کا بہادر ہے۔ اگر انسان کے لیے یہ دشوار ہے کہ اپنی غلطی اور انحراف عن الحق کا اعتراف کر لے، تو یہ دشوار تر ہے کہ دشمن کی سچی رائے اور سچے عمل کا اپنے دست و زبان سے اقرار کرے۔

لیکن مسلم و مومن زندگی کے فرائض حریت کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ اگر انصاف و عدل اور حق و صداقت اس کے سب سے بڑے دشمن کے پاس بھی ہو، جب بھی اس روح ایمان کے لیے جو اس کے ساتھ ہے، اپنا سر نیاز اس کے آگے جھکا دے کہ "در مع الحق کیف ما دار"

يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵: ۸)

مسلمانو! خدا کے لیے آمادہ اور حق کے لیے گواہ رہو! دیکھو کسی قوم کی عداوت و دشمنی تم کو حق و عدل سے کہیں باز نہ رکھے۔ حق و عدل سے کام لو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور خدا تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے

کیا اس کے بعد بھی کسی مسلمان کو عداوت و کینہ پروری اعتراف حق سے باز رکھ سکتی ہے؟ اگر رکھ سکتی ہے تو وہ خصائص و امتیازات اسلام سے محروم ہے۔

خلاصۂ مطالب

ان تمام مباحث کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر حقیقی مسلم کا وجود دنیا میں حق کی شہادت اور حریت کا نمونہ ہے۔ نہ تو ناجائز حسن اعتقاد اس کی عقل صداقت شعار کو سلب کر سکتا ہے نہ

محبت اس حق گوئی سے اندھا اور بہرا بنا سکتی ہے نہ خوف جان و مال اس کو حق سے باز رکھ سکتا ہے اور نہ حرص وطمع اور حب زر و جاہ کے سحر سے مسحور ہو کر منکر صداقت ہو سکتا ہے نہ ہی کسی کی عداوت و دشمنی راہ حق میں اس کے لیے زنجیر پا ہو سکتی ہے۔ وہ حق کا شیدا ہے اور حق کا طالب، وہ حریت کا دلدادہ اور حریت کا جویا ہے، وہ ہر جگہ، جہاں اس کو پا سکتا ہے اس کے لیے جاتا ہے اور جس طرح وہ مطلوب حقیقی اس کو مل سکتا ہے اس کے لیے کوشاں ہوتا ہے ایک مسلم کی شان یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ باطل سے نفرت اور حق کی جستجو رہتی ہے۔ دنیا میں اس کی متاع مطلوب اور معشوق اصلی سچائی اور حق کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

اگر آج ہم حقیقی طور سے مسلم ہوں، حق کے طالب ہوں، حریت کے دلدادہ ہوں۔ حق کے لیے اور ادائے شہادت کے لیے جو ہر مسلم کے وجود کا مقصد ہے، نہ تو ہم دوستوں کی محبت کی پروا کریں اور نہ جابرہ حکومت کے جبروت و جلال سے مرعوب ہوں۔ نفاق کا ہم میں وجود نہ ہو طمع و خوف ہماری استقامت کو متزلزل نہ کر سکے تو حسب وعدہ الٰہی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے تمام اعمال صالح اور ہمارے تمام گناہ مغفور ہوں گے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا • يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (۳۳:۷۰۔۷۱)	مسلمانو! خدا سے ڈرو، اور سچی بات کہو، تا کہ خدا تمہارے اعمال کو صالح کر دے اور تمہارے گناہ بخش دے۔

احادیث وآثار

قال النبی (صلعم) من رای منکم منکرا فلینکر بیدہ و من لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان (الترمذی والمسلم)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو مسلمان کسی برائی کو دیکھے، چاہیے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اسے مٹادے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے بُرا کہے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ ضعیف ترین درجہ ایمان ہے۔

گذشتہ مضمون میں تصریحات قرآنیہ کی بنا پر ہم نے ایک اجمالی نظر حریت وفرائض حریت پر ڈالی تھی۔ آج احادیث وآثار کی بعض اہم تصریحات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

سوسائٹی اور امر بالمعروف

ایک حق گو اور راستباز انسان، ہیئت اجتماعی اور مجتمع انسانی (یعنی سوسائٹی) کا محافظ اور نگران کار ہے، اگر ملک وحکومت کو حفظ امن اور تہدید اشرار کے لیے پولیس کی ضرورت ہے تو یقیناً مجتمع انسانی اور ہیئت اجتماعی کی بدکار اور شریر ہستیوں کی تہدید وتخویف کے لیے حق گو اور راستباز انسانوں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ وہ راستباز انسان جن کی آواز حق گو دلوں کو تھرادے، جن کی راستبازی شریروں کو مرعوب کردے، جن کی صداقت شعاری مبتلایانِ اعمال سیۂ کے لیے ایک صدائے تنبیہ ہو، جو عملاً اس عقیدے کی تصویر ہوں کہ ہر تنہائی اور تاریکی میں ایک ایسا حاضران کے پاس موجود ہے جو کبھی غائب نہیں ہوتا اور ہر پردے اور دیوار کی اوٹ میں ایک ایسا ناظر انہیں دیکھ رہا ہے جس کی نظر سے وہ کبھی اوجھل نہیں ہو سکتے ان ربک لبا لمرصاد!

افسوس ہے اس ہئیت اجتماعی پر اور ہزار حیف ہے اس مجتمع انسانی پر، جس میں کسی حق گو اور راستباز روح کا وجود نہ ہو، جس کی آواز سوسائٹی کے لیے باعث حفظ امن اور موجب قلع وقمع مفاسد وضلالت نہ ہو۔ اس کی ہلاکت نزدیک آئی اور اس کی بربادی کے دن قریب آ گئے۔

عن ابی بکرؓ : انی سمعت رسول اللّٰه یقول ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یاخذ وا علی یدیه اوشک ان یعمهم الله بعقاب منه (رواہ الترمذی)

ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ "لوگ جب ظالم و بدکار کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب خدا اپنا عذاب ان سب پر نازل کرے گا۔

راستبازی کی ہیبت اور خدا کا ڈر

قوموں کی حیات و ممات سوسائٹی کی زندگی اور بربادی پر موقوف ہے اور سوسائٹیوں کی زندگی و بربادی افراد کے صلاح وفساد اور معاشرت واخلاق پر مبنی ہے۔ اخلاق وآداب معاشرت کی نگران ومحافظ صرف وہی چیزیں ہیں، خشیت الٰہی اور خوف انسانی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کے قلوب خشیت الٰہی کے نشیمن ہیں اور ہر حال میں ان آنکھوں کو دیکھتے ہیں جو تاریکی و روشنی دونوں حالتوں میں یکساں دیکھنے والی ہیں اور جو خلوت و جمعیت دونوں میں یکساں نظر رکھتی ہیں!

لیکن وہ جو خشیت الٰہی سے محروم ہیں، ان کا نگران اعمال کون ہوگا؟ اگر ان میں کوئی راستباز نہیں، اگر ان میں وہ نہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دیتا ہے، تو پھر ان شریر روحوں کو ہدایت پر مجبور کرنے والی قوت اور کون سی ہو سکتی ہے؟ پس ضرور ہے

کہ ہر جماعت میں نوع انسانی کے ایسے سچے خدمت گذار موجود ہوں جو ہر باطل و ضلالت کو ہاتھ سے مٹا دینے پر آمادہ ہوں۔ یہ نہ ہوں تو وہ ہوں جو ان کو زبان سے برا کہہ کر ہدایت کرتے ہوں۔ اگر ایسے بھی نہ ہوں تو پھر غضب الٰہی کی روک، انسانیت کے بقا اور فطرت کے غصہ سے بچنے کے لیے کم از کم ایسے تو ہوں جو طاقت اور اختیار نہ پا کر دل ہی دل میں برائی کو برا سمجھیں اور اس طرح بروں میں رہیں پر نیکی کے لیے بروں سے اپنے تئیں الگ کر لیں؟ یہی معنی ہیں مسلم اور ترمذی کی اس مشہور حدیث مقدس کے کہ:۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ و من لم یستطع فبلسانہ و من لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان (رواہ الترمذی)	جو مسلمان کسی برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ کے زور سے مٹا دے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے برا کہے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا سمجھے۔ مگر یہ پست ترین درجہ ایمان ہوگا۔

فرد کی محبت اور قوم سے عداوت

جو لوگ حق گوئی سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس سے بدکار انسانوں کے دل دکھتے ہیں، اور خائنین ملت کو برا کہنا برا جانتے ہیں کہ اس سے بعض گنہگاران ملت کے دلوں میں ٹیس اٹھتی ہے۔ کیا انہیں یہ نہیں معلوم کہ چند بدکاروں اور گنہگاروں کے ساتھ محبت کرنا پوری قوم و ملک کے ساتھ عداوت کرنا ہے؟ کیا تم چپ رہ کر مالک مکان کے ساتھ دشمنی نہیں کر رہے ہو، جبکہ تم دیکھ رہے ہو کہ چور قفل توڑ چکا ہے اور اندر داخل ہونا چاہتا ہے؟ تم اس چور پر رحم کرتے ہو اور مالک مکان کو نہیں جگاتے مگر اس طرح صرف ایک الگ مالک مکان کے ساتھ ہی عداوت نہیں کرتے ہو، بلکہ اس شہر کے تمام انسانوں کے ساتھ عداوت کر رہے ہو!

چور کی ہمت کو تم نے بڑھا دیا۔ خوف انسانی جو پہلے ڈرا دیتا تھا اب نہیں ڈرائے گا!

کشتی کی تمثیل

کشتی جب ایک معصوم اور نیک کردار انسانوں کی جماعت کو لیے ہوئے ساحل کی طرف آہستہ آہستہ آ رہی ہے تو تم ایک خائن و گنہ گار انسان کو دیکھتے ہو کہ اپنی ناجائز عداوت کی بنا پر کشتی کے ایک تختے میں سوراخ کر رہا ہے۔ لیکن تم ترس کھاتے ہو اور اس کا ہاتھ نہیں پکڑتے کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ ایک گنہگار انسان کے ساتھ محبت کر کے تم سیکڑوں قابل رحم اور نیک انسانوں کے ساتھ عداوت کر رہے ہو گے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کشتی ڈوب جائے گی پر تم محفوظ رہو گے؟ دیکھو، تمہارا رہنمائے سفینہ نجات اپنی مبارک تمثیل میں کیا بتاتا ہے؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل القائم علی حدود اللہ والمداھن فیھا کمثل قوم استھموا علی سفینة فی البحر فاصاب بعضھم اعلاھا واصاب بعضھم اسفلھا، فکان الذین فی البحر اسفلھا یصعدون فیستقون الماء فیصبون علی الذین اعلاھا. فقال الذین فی اعلاھا لا ندعکم فتصعدون فتوذوننا فقال الذین فی اسفلھا

ان لوگوں کی تمثیل جو حدود خداوندی میں مداہنت کرتے ہیں اور بے جا رعایت روا رکھتے ہیں، ایسی ہے جیسے ایک جماعت جس نے ایک کشتی میں حصہ لگایا بعضوں کے حصے میں اوپر کا طبقہ آیا اور بعضوں کے حصے میں نیچے کا طبقہ، نیچے والے پانی وغیرہ کی ضرورت سے اوپر کے طبقہ میں جاتے تھے اور ان پر چھینٹیں ڈالتے تھے۔ اس پر اوپر والوں نے کہا کہ اب ہم تم کو اوپر نہ آنے دیں گے تم ہم کو تکلیف پہنچاتے ہو۔ نیچے والوں نے کہا اگر تم

فانا ننقبھافی سفلھا، فان اخذوا علیٰ ایدیھم فمنعوھم، نجوا جمیعاً، وان ترکوھم غرقوا جمیعاً (رواہ البخاری والترمذی واحمد)

اوپر نہ آنے دو گے تو نیچے کے تختے میں ہم سوراخ کر دیتے ہیں۔ اب اگر لوگوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کو اس سے باز رکھا تو سب محفوظ رہیں گے اور اگر چھوڑ دیا تو سب ہی ڈوب جائیں گے۔

امم گذشتہ اور عذاب الٰہی

تم سے پہلے بھی دنیا میں قومیں پیدا ہوئیں اور اپنے اعمال سیئہ کی پاداش میں آخر کار تباہ و برباد ہوگئیں۔ ان کے حالات و واقعات ہمارے لئے تازیانہ تنبیہ و عبرت ہیں، لیکن کیا تم نے کبھی جاننے کی کوشش کی کہ انکی بربادی اور ہلاکت کا سبب کیا تھا؟

ایک قوم کے چند افراد پہلے عصیان الٰہی، خیانت ملی، اور منافقت قومی کے مرتکب ہوتے ہیں، قوم کے اہل دانش وفہم اور ارباب ایمان واخلاص اگر اسی وقت متنبہ ہو جائیں، اور فرض الٰہی جو ان کے ذمہ عائد ہے اس کے ادا کرنے کی کوشش کریں، تو یقیناً یہ سیلِ بلا چند لمحوں میں تھم جائے گا، اور سفینہ نجاتِ قومی، غرق ہونے سے محفوظ رہے گا، لیکن اگر سوء اعمالی نے بدبختی اور سیہ نصیبی کی صورت اختیار کر لی ہے، تو ادائے فرض کی جگہ مسامحت ومساہلت لے لے گی، جو گنہگاروں کو بے باک اور بدکاروں کو دلیر بنا دے گی، اور اس طرح اس تاریکی کا باریک پردہ جس نے پہلے صرف چند قلوب ہی کو فرض شناسی، اطاعت ربانی، اور ایثار ملی سے محروم کیا تھا، اب اور زیادہ غلیظ و کثیف ہو جائے گا۔ تا آنکہ آنکھیں دیکھنے سے، ہاتھ ٹٹولنے سے، پاؤں چلنے سے مجبور ہو جائیں گے، اور پھر اسی پردہ ظلمت میں صاعقہ عذاب چمک چمک کر اور کڑک کڑک کر ہلاکت کی خبر دے گا اور تمام قوم پر گر کر موت اور

بربادی پھیلا دے گا۔ بنی اسرائیل کی ہلاکت و بربادی کا افسانہ تم نے سنا ہے؟

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اول ما دخل النقص على بني اسرائيل، كان الرجل يلقى الرجل، فيقول يا هذا اتق الله و دع ما تصنع فانه لا يحل لك ثم يلقاه من الغدو لا يمنعه ذلك ان يكون اكيله و شريبه و قعيده، فلما فعلوا ذلك ضرب الله قلوب بعضهم على بعضٍ ثم قال: لعن الذين كفر و امن بني اسراء يل علىٰ لسان داود و عيسى بن مريم "الى قوله فاسقون" ثم قال و الله لتامرن بالمعروف و تنهون عن المنكر، ولتاخذن على يدي الظالم ولتاطرنه على الحق اطراً و تقصرنه على الحق قصراً (رواه ابو داؤد)

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ سب سے پہلے بنی اسرائیل میں جو نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا جو مبتلائے گناہ تھا اور کہتا کہ اے شخص خدا سے ڈر، اور اس کام سے باز آ جا کہ تجھے جائز نہیں۔ پھر جب اس گنہگار سے ملاقات ہوتی تو اسے گناہ سے روکنا ترک کر دیتا کیونکہ وہ اس کا ہم نوالہ وہم پیالہ ہو جاتا۔ جب بنی اسرائیل ایسا کرنے لگے تو خدا نے (اثر صحبت سے) ان کے دل یکساں کر دیئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی "داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے وہ ملعون کیے گئے جنہوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا" پھر فرمایا۔ خدا کی قسم تم اے مسلمانو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرو، اور ظالموں کا ہاتھ پکڑو اور ان کو حق و انصاف پر چلنے کے لیے مجبور کرو!

پھر کوئی ہے جو اس صدائے حق کو جو قلب نبوت سے اٹھی، اور اس زبان سے نکلی جو

"ماینطق عن الھوی" کی شہادت ربانی سے مقدس اور "ان ھو الا وحی یوحی" کی توثیق سے پاک کی گئی تھی، سُنے ،اور اس اطاعت معصیت اور وفاداریٔ ظلم وعدوان کے پردۂ فریب کو چاک کردے ،جس نے آج کروڑوں پیروان اسلام کی نظروں سے خدا اور اسکی عدالت کی صورت چھپادی ہے؟

کیا تم نہیں سنتے کہ اسلام کا داعی مقدس تم سے کیا کہہ رہا ہے،اور تم کو قائم کرنے والا تم سے کیا چاہتا ہے؟ کیا وہ صاف صاف نہیں کہتا کہ ظالموں کا ہاتھ پکڑو،اور انہیں حق اور عَدالت پر چلنے کے لئے مجبور کرو؟ پھر کیا تم نے کبھی ان کا وہ ہاتھ پکڑا جو خدا کے بندوں پر ظلم وجبر کے لئے اٹھتا ہے؟ اور کیا کبھی اپنے جہاد صداقت وحریت سے ان کا مقابلہ کیا کہ وہ حق کی پامالی سے باز آجائیں اور خدا کی پاک عدالت کے لئے مجبور ہوں؟ تو تم کو ان جیسا ہونا چاہئے جنہیں اس حکم الہیٰ کے تخاطب سے پاک بنایا گیا۔نہ کہ ان جیسا جو معصیت کی اطاعت اور ظلم وعدوان کی وفاداری کی لعنت سے ناپاک کئے گئے؟ تم حق کے لئے بنائے گئے ہو۔پس حق ہی کے ہوکر رہو! تم کو ظلم وضلالت پر چیخنے ، چلانے ،ہاتھ کو حرکت دینے اور زبان کو وقف جہاد لسانی کردینے کا حکم دیا گیا ہے۔پس خدا کی مغضوب ومردود قوموں کی طرح شیطانی وسوسوں کے ماتحت نہ آؤ اور اپنے کاموں کو انجام دو!

سچا مسلم وہی ہے جو اس حکم پر عامل ہو،اور وہ ظلم پرست روح کبھی مومن نہیں ہوسکتی جو فاطر السموات والارض کے حکم اور ختم المرسلین کی دعوت کو بھلادے۔تم سے پہلے جتنے برباد ہوئے ان کی بربادی صرف اسی کا نتیجہ تھی کہ انہوں نے اس حکم الہیٰ کو بھلا دیا،اور ظالم کے دوست اور غاصب وجابر قوتوں کے غلام بن گئے ۔بنی اسرائیل کی رحمت لعنت سے بدل گئی،اور سلیمان کا تخت اور داؤد کا ہیکل خوں خوار ظالموں سے بھر گیا۔یہ سب کیوں

ہوا؟ صرف اس لئے کہ انھوں نے ٹھیک اسی طرح خدا اور اس کے مقدس رسولوں کا حکم حق پرستی وحق پژوہی بھلا دیا جس طرح کہ اے روئے زمین کے سب سے بہتر انسانو تم بھلا رہے ہو!!

اے علمائے امتِ محمدیہ ﷺ! اور اے روسائے ملت اسلامیہ!! اٹھو کہ وقت آ گیا، ہاتھ بڑھاؤ کہ صداقت طالبِ اعانت اور اسلام اپنے فرض کے لئے پکار رہا ہے! سنو، صدائے حق کیا کہتی ہے؟ کیا علماؤ روسائے بنی اسرائیل کی طرح تمھارا بھی ارادہ اس عہد شوروشر میں خاموشی وسکوت کا ہے تا کہ تمام قوم کی ہلاکت و بربادی کا سامان ہو؟ کیا تم سب سے پہلے اس بات کے لئے جوابدہ نہیں ہو جس کے لئے تمام امت جوابدہ ہے؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل کا پہلا گناہ اس کے عالموں اور پیشواؤں ہی سے نکلا تھا؟ آہ! سنو کہ مخبر صادق ﷺ کی آواز پر کیف کیا کہہ رہی ہے؟

والذی نفس محمد بیدہ لتا مرن بالمعروف و تنھون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عقابا من عندہ ثم لتدعونہ فلا یستجاب لکم (رواہ احمد والترمذی)	اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرو، ورنہ خدا تم پر اپنا عام عذاب بھیجے گا پھر تم پکارو گے، لیکن قبول نہ کیا جائے گا۔

امر بالمعروف اور رشتہ الٰہی

کیا تم اظہار حق، اعانت حریت، اور اعلان صداقت میں ان سے ڈرتے ہو جو اس دنیا میں بڑے ہیں؟ آہ، نہ ڈرو کہ وہ آخرت میں چھوٹے ہوں گے۔ کیا تم اس لیے ڈرتے ہو کہ تم چھوٹے ہو؟ مگر یقین کرو کہ مستقبل میں تم ہی بڑے ہو گے۔ پھر کیا تم اس لیے حق

سے باز رہتے ہو کہ انسانوں سے ڈرتے ہو، لیکن کیا تم انسانوں کے مالک سے نہیں ڈرتے جس کا مقدس پیغامبر فرماتا ہے؟

لا یحقرن احد کم نفسه ان یریٰ امر اللہ تعالیٰ علیہ فیہ مقال فلایقول فیہ فتلقی اللہ وقد اضاع ذلک فیقول اللہ ما منعک ان تقول فیہ؟ فیقول یارب خشیۃ الناس فیقول فا یای کنت احق ان تخشیے (رواہ احمد وابن ماجہ)

تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اس امر میں حقیر نہ سمجھے کہ وہ کسی بات کو دیکھے جس کے متعلق اس کا فرض ہو کہ امر حق کو ظاہر کرے مگر اپنی کمزوری کے خیال سے چپ رہے۔ قیامت میں خدا کے روبرو جب حاضر ہوگا اور وہ اس موقعہ کو بھول چکا ہوگا تو خدا اس سے پوچھے گا کہ تو نے کیوں راستی اور صداقت کی بات نہ کہی وہ کہے گا ''پروردگار! لوگوں کے خوف سے'' خدا فرمائے گا ''کیا خدا تیرے سامنے نہ تھا جس سے تو ڈرتا''؟

اس وقت کون ہوگا جو اس صاحبِ عرش جلال وقدوسیت کے آگے جھوٹ بول سکے گا؟

اے وائے اس اعتراف پر، جب خجالت وشرمندگی کے ساتھ ہم اقرار کریں گے کہ ہاں اے قادر علی الاطلاق! ہاں اے دانائے اسرار قلوب!! ہم انسانوں سے ڈرے پر تجھ سے نہ ڈرے، ہم نے مخلوق کے سامنے سر جھکایا پر تجھ سے سربلندی کی، ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو سجدہ کیا۔ ہم غیروں سے آشنا ہو کر تجھ سے بیگانہ ہو گئے۔

اس وقت کہا جائے گا کہ کیا تم نے میرے منادِ صادق ﷺ اور داعیِ حق ﷺ کی اس آواز کو نہیں سنا تھا جبکہ کہا گیا تھا کہ:۔

ایھا الناس! ان اللہ تعالیٰ یقول: امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر قبل ان تدعونی فلا اجیبکم، و تسالونی فلا اعطیکم، و تستغفرونی فلا اغفرلکم (رواہ الدیلمی)

لوگو! خدا فرماتا ہے: اچھی باتوں کا حکم کرو، اور بری باتوں سے منع کرو! قبل اس کے کہ تم پکارو اور میں جواب نہ دوں، تم مانگو اور میں نہ دوں، تم مغفرت چاہو اور میں مغفرت نہ کروں، (یعنی اگر تم نے امر بالمعروف کا فرض ادا نہ کیا تو میں اپنا رشتہ تم سے کاٹ لوں گا)

اس لیے ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ حق کا طالب، باطل کا دشمن، عدل وحریت کا عاشق، اور جور وظلم سے منفر ہو۔ اس کا فرض ہے کہ طلب صداقت میں اپنے عزیز ترین سامان حیات کو بھی نثار کرنے کے لیے تیار رہے۔ حق پژوہی اور عدل دوستی اس کا ایمان اور اس کے لیے روح اخلاص ہو، وہ راہ حق میں موت سے نہ ڈرے کہ یہی اس کی زندگی ہے، اور سچائی کے عشق میں وہ سب کچھ لٹا دے جو آدم کی اولاد اس زمین پر لٹا سکتی ہے۔ یہی تعلیم ہے جو ہمارے معلم ربانیؐ نے ہمیں دی ہے:۔

تحروا الصدق و ان رأیتم فیہ الھلکۃ فان فیہ النجاۃ (رواہ ابن ابی الدنیا مرسلاً)

راستی و صدق کو تلاش کرو، گو اس میں تمھارے لیے ہلاکت ہی کیوں نہ ہو کہ اسی ہلاکت میں تمھارے لیے نجات ہے۔

کون ہے جو اس ہلاکت کا طالب نہیں جو موجب نجات ہے؟ کون ہے جو اس زہر آلود پیالہ سے نفرت کرتا ہے جو اس کی زندگی کے لئے آب حیات ہے؟ شہید راہ

حق پرستی نہ صرف تنہا زندہ ہے بلکہ وہ تمام قوم کو بھی زندہ کر دیتا ہے۔ اس کے مردہ قالبوں میں روح حرکت کرنے لگتی ہے، اور اسکی بندرگوں میں خون حیات اپنی آمدورفت شروع کر دیتا ہے۔ پھر کیوں لوگ اس موت سے ڈرتے ہیں؟ کیا وہ قوم کی زندگی کے آرزومند نہیں؟ کیا وہ حیات جاوید کے طالب نہیں؟ وہ خدا کی راہ میں ان انسانی بتوں سے ڈرتے ہیں، جو سونے چاندی کی کرسیوں پر خدا بن کر بیٹھے ہیں، جو اپنی فوج کی چند صفوں سے قہر الٰہی کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، جو معصوم جانوں کو ظلم و قہر کی دیبی پر قربانی چڑھاتے ہیں، جو کمزوروں کو ستاتے ہیں کیونکہ ان کے نالہ و فریاد کی لے انہیں پسند ہے، جو بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں کیونکہ ان کے دہن تشنہ کے لئے خون کے چند قطروں کی ضرورت ہے، جو مصیبت زدوں کی فریاد ناپسند کرتے ہیں تاکہ ان کی محفل عیش و امن منغص نہ ہو۔ جو مظلوموں پر ظلم کرتے ہیں تاکہ ان کی مجلس عدالت دادرسی کے لئے زحمت کش نہ ہو۔

مقدس پیشین گوئی

لیکن ہر مسلمان کو آج یقین کر لینا چاہیے کہ اس کے پیغمبر مقدسؐ نے اپنی امت کے پاس اس موقعہ کے لئے ایک پیغام بھیج دیا ہے اور ٹھیک اسی وقت کے لئے اس کی زبان وحی پیشین گوئی کر چکی ہے:۔

انه سيكون عليكم ائمة تعرفون و تنكرون ، فمن انكر فهو برئ و من كره فقد سلم، ولكن من رضي و تابع هلك (رواہ احمد و الترمذی)

عنقریب تم میں بعض افسر ہوں گے جن کی بعض باتیں اچھی ہوں گی اور بعض بری، جس نے ان کو نہ مانا وہ بری ہوا، اور جس نے ناپسند کیا وہ محفوظ رہا۔ لیکن جس نے رضا مندی ظاہر کی اور متابعت کی وہ ہلاک ہوا۔

سیکون امراء فتعرفون و تنکرون، فمن کرہ برئ و من انکر سلم۔ ولٰکن من رضی و تابع ھلک. (رواہ مسلم وابوداؤد)

عنقریب تم میں بعض ایسے حکام ہوں گے، جن کی بعض باتیں اچھی اور بعض بری ہوں گی، جو ان باتوں کو مکروہ سمجھے گا وہ بری ہو گا، اور جو ان کو نہ مانے گا وہ محفوظ رہے گا۔ لیکن جو ان باتوں کو پسند کرے گا اور ان کی متابعت کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔

الیٰ جہاد فی سبیل اللہ

پس کیا جور و ظلم کی رضا اور باطل ومنکر کی اطاعت کا ارادہ ہے؟ نہیں۔ تم مسلم ہو، اور مسلم دنیا میں صرف اس لئے آیا ہے تاکہ عالم کو ہر طرح کے ظلم وفساد اور عدوان وطغیان سے نجات دلائے، پس جس طرح کفار ومشرکین نے اپنے اعمال سیئہ اور مقاصد شنیعہ سے دنیا کو جور و ظلم سے بھر دیا ہے، اسی طرح تم بھی اسے عدل وصداقت سے بھر دو۔ ہاں اے فرزندان ابراہیم! اٹھو، اور ان ہیکلوں کو جن میں سنگ مرمر کے انسانی بت بستے ہیں توڑ ڈالو، اور اس صنم آباد کے "صنم کبیر" کو جس کو تمھارے باپ ابراہیم نے اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ اپنے بندوں کو معبودان صغار کی تباہی کا افسانہ سنا سکے، سب سے پہلے توڑ و تاکہ وہ ان کی تباہی کا فسانہ بھی سنا سکے۔ قوت وضعف کا سوال نہ کرو کہ تم نہ تو پشہ سے کمزور تر ہو، اور نہ وہ نمرود سے قوی تر۔

تقربوا الی اللہ ببغض اھل المعاصی و لقوھم بوجوہ مکفرۃ، والتمسوا رضاء اللہ بسخطھم، و تقربوا الی اللہ بمھین حاصل بالتباعد منھم (رواہ ابن شاہین)

ظالموں سے عداوت رکھو تاکہ خدا کی محبت تمہیں نصیب ہو، ان کے ساتھ تلخ روئی سے پیش آؤ تاکہ خدا کی رضا تمہیں حاصل ہو، ان سے دور رہو تاکہ خدا سے نزدیکی اور اس کی درگاہ میں تقرب پاؤ۔!!

میں بغض ونفرت اہل جور وظلم کے مناظر میدانوں میں دیکھنا نہیں چاہتا دلوں کے گوشوں میں، آبادیوں میں دیکھنے کا طالب نہیں ہوں بلکہ قلوب کے خلوت کدوں میں: وذلک اضعف الایمان

اقسام جہاد

میں تم سے فتنہ کا طالب نہیں کیونکہ فتنہ خدائے اسلام کو محبوب نہیں ہے۔ میں تم سے صرف قول حق کی درخواست کرتا ہوں کہ یہی اعلیٰ ترین میدان شجاعت ہے۔ میں تم سے صرف کلمہ حق کا طالب ہوں کہ وہی افضل ترین جہاد ہے:۔

قال النبی صلعم : احب الجهاد الی الله كلمة حق يقال لامام جائر (رواہ احمد و الطبرانی)	آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ خدا کے نزدیک سب سے محبوب جہاد وہ ''کلمہ حق'' ہے جو کسی ظالم حاکم کے سامنے کہا جائے۔
افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر (رواہ احمد وابن ماجہ و الطبرانی والبیہقی)	بہترین جہاد وہ ''کلمہ حق'' ہے جو کسی ظالم سلطان کے روبرو کہا جائے۔
ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر (رواہ الترمذی)	جہاد اکبر، کسی ظالم حکمران کے آگے انصاف و عدل کی بات کہنا ہے!

یہ کیسی عالمگیر غلطی ہے کہ اسلام کے جہاد کو صرف جنگ وقتال ہی میں محدود سمجھا جاتا ہے؟ افسوس کہ غیروں کے ساتھ تم بھی اسی غلطی میں مبتلا ہو، حالانکہ صحیح ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی یہ تین حدیثیں جو اوپر گذر چکی ہیں، اس خیال کو یکسر باطل ثابت کرتی ہیں۔ وہ صاف

صاف شہادت دیتی ہیں کہ جہاد مقدس صرف اس سعی اور جہد صالح کا نام ہے جو ایثار و جاں نثاری کے ساتھ راہ حق و صداقت میں ظاہر ہو، اور اس کا سب سے بڑا میدان امر بالمعروف اور دعوت حق و عدل ہے۔ فرمایا کہ " **افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر** " سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ایک ظالم و انصاف دشمن پادشاہ اور حکومت کے سامنے حق اور عدل کا بے خوف اظہار کیا جائے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ سچا مجاہد وہی راست باز انسان ہے جو انسانی قوتوں کی ہیبت اور سطوت کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے اور خدا کی عدالت اور صداقت کی محبت اس پر اس درجہ چھا جائے کہ وہ اس کے بندوں کی ہیبت کی کچھ پروانہ کرے!

یہی جذبۂ صداقت و حق پرستی ہے جس کو آج دنیا کی قومیں مختلف ناموں سے پکارتی ہیں مگر اسلام نے اس کا نام جہاد رکھا اور ایک مومن و مسلم زندگی کا اسے اصلی شعار بتلایا۔ افسوس کہ خود مسلمانوں ہی نے اس شعار کی توہین کی اور خود اپنوں ہی نے غیروں کی خاطر خدا اور رسول کے اس پاک حکم کو مٹانا چاہا۔ لیکن وقت آ گیا ہے کہ آج پھر اسلام اپنے ہر فرزند سے اس حکم کی تعمیل کا مطالبہ کرے اور الحمد للہ کہ الہلال کو آغاز اشاعت سے اس اصل اساس ملّت اور اوّلین حکم اسلامی کے اعلان و ذکر کی توفیق دی گئی اور اس کی دعوت کی تمام شاخوں کی بنیاد و اساس صرف یہی حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

کیا ہمارے لیڈر اس جہاد کے لئے تیار ہیں؟ کیا کونسلوں کے مسلمان ممبر اس شجاعت کا نمونہ دکھانے کو آمادہ ہیں؟ کیا صحافت اسلامیہ کے محرر و مدیر اس میدان میں اتر یں گے؟ مطمئن رہنا چاہئے کہ اس "افضل الجہاد" کے لئے ہاتھ کی ضرورت نہیں دل کی ضرورت ہے۔ اب بہترین مظہر شجاعت کا آلہ عمل تلوار نہیں بلکہ قلم ہے۔ اس جنگ کے لئے

ابھی اسلحہ آہنی نہیں چاہیے، صرف چند پارہ ہائے گوشت درکار ہیں جن میں حرکت صحیح اور جنبش صادق ہو!

تم مواقع جہاد کو میدانوں اور معرکوں میں ڈھونڈتے ہو؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ تم ان کو اپنے دل کے گوشوں میں ڈھونڈو۔ ضعفِ ارادہ باطل پرستی کی اصل کمین گاہ یہیں ہے۔

وقال رسول ﷺ:۔

الجهاد اربع؛ الامر بالمعروف والنهي عن المنكر، والصدق في مواطن الصبر، وشنآن الفاسق	جہاد چار چیزیں ہیں: اچھی باتوں کا حکم کرنا، بُری باتوں سے منع کرنا صبر و آزمائش کے موقع پر سچ بولنا اور بدکار سے عداوت رکھنا۔

(رواہ ابونعیم)

انواع جہاد میں سے کونسی نوع ہے جس کا مظہر دل نہیں؟ ہاں دل درست کرو کہ تمہارے ارادوں میں قوت، افکار میں صداقت، حوصلوں میں استقلال، اور پائے عمل میں ثبات پیدا ہو۔ دل، اور یہی دل جس کا مضغۂ گوشت تمہارے پہلو میں ہے، یقین کرو کہ تم سے باہر تمام عالم کی اصلاح وفساد کی اصلی کنجی یہی ہے:۔

قال النبي صلعم : ان في الجسد مضغة اذاصلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله، الاوهي القلب (صحاح)	انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صالح ہوتا ہے تو تمام جسم صالح ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے، ہاں جانتے ہو وہ گوشت کا ٹکڑا کیا ہے؟ ''دل''

مواعظ وخطب!

الحریة فی الاسلام

ان القوة لله جمیعاً (۱۶:۲)

اس سے پہلے کہ دنیا نور اسلام سے منور ہو، انسان کا کیا حال تھا؟ وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو خدا سمجھتا تھا، جنگل کا ہر بڑا درخت اس کا خدا تھا، زمین کا ہر خوفناک کیڑا اس کا خدا تھا، پہاڑ کا ہر سیاہ پتھر اس کا خدا تھا۔ وہ سانپ کو پوجتا تھا کہ سانپ دیوتا تھا، وہ دریا کو پوجتا تھا کہ دریا دیبی تھی، وہ پہاڑ کو پوجتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا مسکن تھا، وہ آگ کو پوجتا تھا کہ وہ اگنی کہیں دیبی تھی اور کہیں خدا کا مظہر تھی، وہ عام ستاروں کو پوجتا تھا کہ وہ حکمران عالم تھے۔ وہ چاند اور سورج کو پوجتا تھا کہ وہ نور اکبر تھے، وہ حیوانوں کو پوجتا تھا کہ اُن میں انسانوں سے زیادہ قوت تھی، وہ انسانوں کو بھی پوجتا تھا کہ خدا کے اوتار تھے!

ہندوستان میں جو علوم ریاضیہ کا سرچشمہ تھا، انسان پتھروں اور مورتوں کا بندہ تھا، یونان جو علوم عقلیہ کا مرکز تھا، طرح طرح کے دیوتاؤں کا مسکن تھا، مصر و بابل جو علم ہیئت وفن تعمیر کے سب سے پہلے گھر تھے، ستاروں کے ہیکل سے آباد تھے۔ دنیا اسی تاریکی میں گھری ہوئی تھی، کہ کلدان میں "مسلم اول" کا ظہور ہوا، جس نے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَا كَوْكَباً ج قَالَ هٰذَا رَبِّي ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْأٰفِلِيْنَ . فَلَمَّارَاَ الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَ كُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ. فَلَمَّارَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً

رات کو ستاروں کو دیکھا تو کہا یہ میرا خدا ہے، لیکن جب ستارے چھپ گئے تو اس نے کہا: میں چھپ جانے والوں کو خدائی کے لیے نہیں پسند کرتا۔ پھر چاند نظر آیا تو پکار اٹھا کہ یہ میرا خدا ہے، پر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میرا سچا خدا میری ہدایت

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَکْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ. اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۶: ۷۷۔۸۰)

نہ کرتا تو یقیناً میں گمراہ ہو چکا تھا! پھر دن کو جب سورج چمکتا ہوا نکلا تو اس نے کہا ہاں یہ میرا خدا ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے، لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو مخاطب کیا۔ لوگو! میں ان سب سے تبری کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو۔ میں تمام جھوٹے معبودوں سے منہ پھیر کر اس سچے خدا کی طرف رخ کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ میں خدا کا کسی کو شریک نہیں بناتا۔

یہ پہلا دن تھا جب اسلام نے حقیقت انسانی کے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور اس نے بتایا کہ اے انسان! تو مخلوقات کا بندہ نہیں۔ تو مخلوقات کا آقا ہے۔ تو ان کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ وہ تیرے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ تو ان کا غلام نہیں بنایا گیا۔ وہ تیرے غلام بنائے گئے ہیں تو تمام مخلوقات سے اشرف ہے، اور تیری ذات ان تمام ہستیوں سے ارفع ہے۔ تو صرف خالق مخلوقات کا بندہ ہے۔ اور تمام مخلوقات کا آقا ہے۔ پھر تو جن کا آقا ہے حیف ہے کہ ان کو اپنا خدا بنائے اور ان کے آگے غلامی کا سر جھکائے؟

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا. (۱۷ . ۷۰)

ہم نے انسان کو عزت و بزرگی بخشی، اس کو خشکی و تری میں سواری دی، اچھی چیزیں روزی کیں، اور اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت کامل عطا کی۔

اے انسان! دنیا تیرے ہی لیے بنی ہے۔ تو اس کی پرستش نہ کر۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ (۲۲-۶۵)	کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے مسخر کر دیا؟
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۲:۲۹)	خدا وہی ذات اقدس ہے جس نے تمہارے لیے تمام زمین کی چیزیں پیدا کیں!

بلکہ آسمان وزمین کی سب چیزیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو ان کے لیے نہیں ہے پس تو ان کو خدا نہ جان۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ (۳۱-۲۰)	کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے خدا نے مسخر کر دیں۔
وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۴۵:۱۳)	خدا نے تمہارے لیے آسمان وزمین کی تمام چیزیں مسخر کر دیں۔

تو دریا کو بھی نہ کہہ کہ وہ تو تیری ضروریات کا ایک خزانہ ہے۔

سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (۴۵-۱۱)	تمہارے لیے دریا کو مسخر کر دیا تا کہ اس میں خدا کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تم اپنے رزق کو تلاش کرو۔
هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۶-۱)	خدا وہی ذات قدوس ہے جس نے دریا کو مسخر کیا تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، اس سے اپنی زیب وزینت کی اشیاء نکالو، اس میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تا کہ اس سے خدا کی برکت تلاش کرو، اور اس کا شکر ادا کرو۔

تو حیوانات کو دیوتا نہ سمجھ کہ وہ تیرے ہی فائدہ کے لیے مخلوق ہوئے ہیں۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ • لِتَسْتَوُا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ (۴۳:۱۲۔۱۳)	کشتی اور جانور تمہارے لیے پیدا کیے تاکہ تم ان کی پیٹھ پر سیدھے سوار ہو، پھر اپنے خدا کے احسان کو یاد کرو، اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے مخلوقات کو مسخر کر دیا! ہم اپنی قوت سے ان کو مسخر نہ کر سکتے۔

آگ دیبی نہیں وہ تو تیرے ہی لیے پیدا ہوئی ہے۔

اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا (۳۶:۸۰)	خدا وہ ہے جس نے سبز لکڑی سے تمہارے لیے آگ پیدا کی!

پہاڑ دیوتاؤں کا مسکن کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو خود انسان کے تابع ہے اور خدا کا فرمانبردار ہے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِىِّ وَالْإِشْرَاقِ (۳۸:۱۷)	ہم نے داؤد نبی کے لیے پہاڑ کو مسخر کر دیا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کریں۔

آفتاب و مہتاب اور دیگر ستارے بھی اے انسان تیرے خدا نہیں، تو خود ان کا خداوند و آقا ہے، اس لیے تو ان کو سجدہ نہ کر!

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (۱۴:۳۳)	تمہارے لیے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر دیا جو حرکت کرتے ہیں اور اسی طرح رات اور دن اور ان کے خواص و مؤثرات کو بھی تمہارا تابع فرمان بنا دیا!

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ (۱۶:۱۲)

رات، دن، سورج، چاند سب کو تمہارے تابع کر دیا کیونکہ تمام ستارے خدا کے حکم کے تابع ہیں۔

غور کرو، ایک ''مشرک'' اور ایک ''مسلم'' کی زندگی میں کتنا فرق ہے؟ مشرک پتھروں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں، ستاروں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں، کہنہ اور بوسیدہ قبروں کی اینٹوں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں، خود انسانوں سے ڈرتا ہے کہ وہ خدا ہیں، لیکن ایک مسلم کا عقیدہ یہ ہے کہ ''فاطر السمٰوٰت والارض'' کی ایک ذات کے سوا دنیا میں کوئی وجود نہیں جس سے ڈرا جائے۔ ایک مشرک اپنے کو دنیا کی ہر شے سے کمزور و حقیر سمجھتا ہے، لیکن ایک مسلم وجود ذات ''عزیز و متکبر'' کے سوا خود کو سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ سمجھتا ہے، کیونکہ ہر لحظہ اس کے کان میں یہ آواز آتی رہتی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۶۳:۸)

عزت صرف خدا کے لیے ہے، اس کے رسول کے لیے ہے، اور مسلمانوں کے لیے۔

اے مشرک انسان! تو کیوں خدا کے سوا اوروں کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے؟ کیا تو ان میں سے بعض سے بہتر اور بعض کے برابر نہیں ہے؟ اے مشرک انسان! تو کیوں خدا کے سوا اوروں سے ڈرتا ہے؟ کیا وہ بھی تیرے ہی طرح خدا کی مخلوق نہیں۔ اے مشرک انسان! تو خدا کو چھوڑ کر کن سے حاجت برآری کی درخواست کرتا ہے؟ کیا وہ خود خدا کے محتاج نہیں؟ پس ایک ہی ہے جس کی طرف ہاتھ پھیلانا ہے، ایک ہی ہے جس سے ڈرنا ہے، ایک ہی ہے جس کے آگے جھکنا ہے، ایک ہی ہے جس کے آگے گڑگڑانا ہے، ایک ہی ہے جس کو اپنے سے بالاتر سمجھنا ہے اور ہاں ایک ہی ہے جس سے حاجت برآری کی درخواست کرنی ہے۔

قُلْ اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ط قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ط عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔(۳۸:۳۹)	اگر خدا مجھے مصیبت پہنچانی چاہے تو کیا تو تمہارے معبود جن کو تم پکارتے ہو، اس مصیبت کو دور کر سکتے ہیں؟ اگر خدا اپنی رحمت مجھ پر نازل کرنی چاہے تو کیا وہ روک سکتے ہیں؟ ہاں کہہ دو کہ خدا ہی کارشتہ بس کرتا ہے، بھروسہ کرنے والے صرف اسی کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔

پس جو مسلم ہے وہ خوددار ہے، کیونکہ خدا کے بندوں میں اس کا کوئی ہمسر نہیں، پھر کس سے وہ اپنی ذات کو حقیر سمجھے اور اس کے سامنے جھکے؟ اس نے صرف ایک ہی سے اپنی ذات کو حقیر سمجھا اور اسی کے سامنے جھکا۔

جو مسلم ہے وہ آزاد ہے، کیونکہ مخلوقات میں کون بڑا ہے جس سے وہ ڈرے؟ اس نے ایک کو بڑا سمجھا اور اسی سے وہ ڈرا۔

مسلم خدا کے سوا کسی سے کیوں نہیں ڈرتا؟ اس لیے کہ وہ دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ:۔

خدا کے سوا نفع وضرر کسی کے ہاتھ میں نہیں۔

دنیا کی ہر قدرت وقوت کا مالک وہی ہے۔

اس کے سوا کسی میں قوت وقدرت نہیں۔

مخفی دعاؤں کا سننے والا تنہا وہی ہے۔

دنیا کی تمام قوتوں کی عنانِ حکومت صرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔
عطائے موت وحیات ونفع وضرر صرف اسی کا کام ہے۔
ہماری طرح دنیا کا ذرّہ ذرّہ اسی کا محتاج ہے، مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔

پھر کیوں کر ممکن ہے کہ شدائد وخطرات کا مہیب دیو اس مسلم کو خوف زدہ بنا سکے جس کا قلبِ مطمئن خدا کے سوا کسی سے خوف زدہ نہیں؟ اور کیونکر ممکن ہے کہ خوف وہراس اس دل پر قبضہ کر سکے جو خدا کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں؟ اور ہاں کیوں کر ممکن ہے کہ متکبرین کی ہیبت وعظمت، جبابرۂ عالم کا قہر وغضب، سپاہیوں کی تیغ وسنان اور فرعون کا جاہ وجلال اس انسان کو مرعوب کر سکے، جس کی نظر میں یہ سب کے سب ایک دست شل اور ایک عضو معطل سے زیادہ نہیں؟

پھر جس کی یہ حقیقت ہے، کیوں کر ممکن ہے کہ وہ شدائد وخطرات سے خوف کھا کر نصرتِ حق سے باز آ جائے؟ اس کا دل راستی اور سچائی کی سختیوں کو دیکھ کر لرز جائے، اس کی زبان قولِ حق سے خاموش رہے؟ اس کا قدم جادۂ صداقت سے متزلزل ہو جائے؟ کیونکہ مسلم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کے سوا دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا، اپنے نفع وضرر کی باگ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں دیکھتا۔

پھر کیا یہ سچ نہیں کہ مسلم فطرتاً خود دار ہے کہ اکثر مخلوقات سے وہ برتر اور بعض کے برابر ہے؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ مسلم فطرتاً آزاد اور حر ہے کہ خالق کے سوا وہ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتا، کیونکہ قوتوں کا منبع اور قدرتوں کا مرکز اس کی نظر میں ایک ہی ہے۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ . وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ . (انعام:۱۷۔۱۸)

اگر وہ ضرر پہونچانا چاہے تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں، اور اگر نیکی وبرکت دینا چاہے تو وہ ہر بات پر قادر ہے۔ وہ بندوں پر غالب ہے۔ وہ ہر نکتہ سے آگاہ ہے، اور ہر خبر سے واقف ہے۔

حواشی

[1] ملکِ عرب دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے اور جغرافیہ جدیدہ سے بھی ثابت ہے۔

[2] ۔ "امر" کے معنی عام مفسرین نے امورِ جنگ کے لیے ہیں، لیکن وہ شخص جو صدرِ اول کے لٹریچر سے واقف ہے یقین کرے گا کہ "امر" سے عموماً باقتضائے موقع "حکومت و خلافت" مراد لیا گیا ہے۔ احادیث میں سینکڑوں مواقع پر لفظ امر اسی معنی میں آیا ہے، مثلاً "من یصلح لھذا الامر" "لا یصلح عند الامر" "ان ھذا الامر یتم" اور بے شمار احادیث صحیحہ میں یہ استعمال و محاورہ موجود ہے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ صرف امورِ جنگ کی تحدید کر دی جائے اور حسبِ محاورۂ صدرِ اول عام امورِ حکومت و خلافت نہ مراد لیے جائیں۔ جیسا کہ بعض علما نے مراد لیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، تاہم میں ان تمام احادیث کا حوالہ دیتا ہوں جن میں خلافت و حکومتِ اسلامی کا ذکر ہے۔ ان کو دیکھیے گا تو اکثر جگہ لفظ "امر" انہی معنوں میں نظر آئے گا۔ کما لا یخفی علی العلماء باحادیث النبی ﷺ۔

[3] یہ آیت کریمہ سورہ عمران کے اس رکوع کی ہے، جس میں خدا تعالیٰ نے ظہورِ دعوت اسلامی و وجود حضرت رحمۃ للعالمین کو اپنا سب سے بڑا احسان و لطف قرار دیا ہے اور اس نعمت کی قدر و منزلت کی طرف دنیا کو توجہ دلائی ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ظہور و دعوت اسلامی سے پہلے تم لوگوں کی حالت شدتِ کفر و ضلالت اور اُسر و غلامی سے ایسی تھی، گویا ایک آگ کے گڑھے پر

کھڑے تھے، مگر اللہ نے حضرت رحمۃ للعالمین کو بھیج کر تمہیں اس ہلاکت سے بچالیا اور اسی طرح وہ تمہارے سامنے اپنی قدرت و حکمت کی نشانیاں کھولتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ (منہ)۔

[۴] جان جاک روسو مشہور فرانسیسی مصنف اور انقلاب فرانس کے محرکینِ اولین میں سے ہے۔ سنہ ۱۷۵۶ء میں اس نے اپنے افکار سیاسیہ ایک کتاب کی صورت میں شائع کیے۔ اس میں ہر طرح کے استبدادِ دینی وملوکی کو ظلم و معصیت بتلایا تھا اور جمہوری حکومت کی اہلِ فرانس کو ترغیب دی تھی۔ جمہوری حکومت کے اس نے متعدد نظام مرتب کیے تھے اور سب کا اولین اصول قوم کے تمام طبقات و جماعات میں مساوات قرار دیا تھا۔ سنہ ۱۷۱۲ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۶۶ء میں بعالم دیوانگی وفات پائی۔ نغمات موسیقیہ کو بصورت ارقام وخطوط مدون کرنے کا وہی موجد ہے۔